برج کورس

کے پانچ سال

مرکز فروغ تعلیم وثقافت مسلمانان ہند
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

سہیل انجم

Centre for Promotion of Educational and Cultural Advancement of Muslims in India (CPECAMI)

Aligarh Muslim University
Morrison Court Road, Aligarh Muslim University, Aligarh-202002
Tel: +91-571-2700920 (ext. 3634, 3640) Telefax: +91-571-2701145
amuconference.org | futureislam@gmail.com | amuconference2019@gmail.com

برج کورس
کے پانچ سال

سہیل انجم

مرکز فروغ تعلیم وثقافت مسلمانان ہند
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

نام کتاب	:	برج کورس کے پانچ سال
مصنف	:	سہیل انجم
ناشر	:	مرکز فروغ تعلیم وثقافت مسلمانان ہند
صفحات	:	۸۰
سال اشاعت	:	۲۰۱۸

ناشر

مرکز فروغ تعلیم وثقافت مسلمانان ہند

Centre for Promotion of Educational and Cultural Advancement of Muslims of India
(CEPECAMI)
Opposite University Post office, Morrison Road
Aligarh Muslim University
Phone:+91-571 2700920 Extn:1352,3634 Fax: +91-5712701145
Email.: info@amubridgecourse.com
www.amubridgecourse.com

''دین ودنیا کی بظاہر اس بے ضرر زمرہ بندی نے مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو کچھ اس طرح دولخت کر رکھا ہے کہ اب بڑے بڑوں کو اس کی شیرازہ بندی کا خیال بھی نہیں آتا۔ صورت حال کی سنگینی کا اندازہ کچھ اس بات سے لگائیے کہ صدیوں سے مسلم معاشرے میں جدید اور قدیم دو الگ الگ ذہنوں کی آبیاری ہوتی رہی ہے۔ ایک علم شرعی کا شناور ہے تو دوسرا علم دنیا کا ماہر۔ ایک کو دوسرے سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ ایک کا وجود دوسرے کے لیے ناقابل انگیز ہے۔ اول الذکر نے اگر علوم شرعی کے حوالے سے آخرت پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے تو ثانی الذکر علوم دنیا میں اپنی مہارت کے سبب خود کو سیادت کا سزاوار سمجھتا ہے۔ مسلمانوں کے یہ دو متحارب طبقے نہ صرف یہ کہ فکری اعتبار سے الگ الگ دنیا میں جیتے ہیں بلکہ زبان و بیان، تہذیب و معاشرت اور اپنے مخصوص ملبوسات سے بھی مسلسل اس بات کی شہادت دیتے رہتے ہیں کہ کبھی بنیان مرصوص کہی جانے والی یہ امت آج دولخت ہو کر رہ گئی ہے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ امت کے زوال کے لیے روایتی علما کو موردالزام قرار دیتا ہے جو اس کے بقول بدلتی دنیا کی طرف مسلسل پیٹھ کیے بیٹھے ہیں جبکہ اہل جبہ کو یہ شکایت ہے کہ طبقہ جدید کی بے راہ روی اور اس کو قبولیت عامہ مل جانے کے سبب مسلمان اپنے متعینہ راستے سے دور جا پڑے ہیں''۔

(راشد شاز، کتاب العروج، ص ۲۲۵)

پیش لفظ

عملی طور پر علم کی ثنویت نے عالمی پیمانے پر امت مسلمہ کو جس پستی ونکبت سے دوچار کیا ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہے۔اس پر مستزاد یہ المیہ بھی ہے کہ دینی علوم ومعارف کے یہ کارخانے آپسی انتشار وافتراق اور خوں ریزی کا سبب بن رہے ہیں۔جن کارخانوں سے حقیقی اسلام کے نمائندے تیار ہونے چاہیے تھے وہاں سے مختلف مسلکی ،گروہی اور جماعتی کارپرداز تیار ہورہے ہیں۔جنہوں نے پوری امت کو جسد واحد بنانے کے بجائے ایک دوسرے سے برسر پیکار کررکھا ہے۔جن علماء کو عالمی قیادت کا فریضہ انجام دینا تھا وہ علم کی ثنویت کے شکار ہوکر ترقی یافتہ زمانہ سے بے خبر ہیں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر امت کی شیرازہ بندی میں مزاحم ہورہے ہیں۔جس کے نتیجہ میں پوری امت ذلت ونکبت،پستی واد بار اور خون خرابہ کی شکار ہے۔

حالات کی اس سنگینی سے سبھی واقف ہیں،لیکن اس کے تدارک ومداوا کے لیے کوئی کارگر تدبیر اپنانا ان کے بس سے باہر ہے۔عالمی وملکی ہر سطح پر امت مسلمہ اور اس کی قیادت کی یہی صورت حال ہے۔مسلم ممالک اور ان پر قابض حکمرانوں کا جبر پوری امت کو بے دست وپا کیے ہوئے ہے۔لیکن اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں بھی قرآن مجید اور آخری نبی ﷺ کے اسوہ حسنہ کی روشنی آج بھی پوری آب وتاب سے موجود ہے۔جو کوئی اس بھنور سے نکلنا چاہے وہ اس روشنی سے اپنے حصہ کا نور کشید کرسکتا ہے۔

یہ اللہ کا فضل ہے کہ امت میں بعض اصحاب نظر اس کرب کو محسوس کررہے ہیں اور پوری امت بلکہ پوری انسانیت کو اس کرب سے نکالنے کے لیے اپنی سی کوشش کررہے ہیں۔وہ اب یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ تیز رفتار ترقی کی اس دوڑ میں علم کی ثنویت کے بجائے قرون وسطٰی کے غیر منقسم نظام تعلیم کا احیاء ہی اس امت کی عظمت رفتہ کی بحالی کا خواب پورا کرسکتا ہے۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں فارغین مدارس کے لیے قائم یک سالہ برج کورس اسی عملی اقدام کی ایک کڑی ہے۔یہ کورس پانچ سال قبل وجود پذیر ہوا تھا کہ علم کی ثنویت کا قلع قمع کیا جائے اور ایسے بے دار مغز علما وعالمات کی ایک ٹیم تیار کی جائے جو جدید وقدیم علوم ومعارف سے سیراب ہو اور بتان رنگ وخوں کو توڑ کر ملت میں گم ہونے کا ہنر جانتی ہو۔انسانیت کو ایسی ہی عالمی قیادت کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت ماضی بعید میں امت مسلمہ پوری کرتی رہی ہے۔اور مستقبل میں بھی اگر وہ ان اوصاف ضروریہ سے متصف ہو تو یہ فریضہ انجام دے سکتی ہے۔

برج کورس کے قیام کے بعد ہی سے یہ کورس دھیرے دھیرے عالمی پیمانہ پر اہل نظر کی توجہ کا مرکز بنتا گیا۔ پھر اس کی حیرت انگیز کامیابیاں لوگوں کو مزید متوجہ کرنے کا باعث بنیں۔ چنانچہ اس کی زیارت کرنے والوں کا ایک تانتا بندھ گیا۔ ان تحسین وآفرین جذبات کے درمیان میں کچھ مغفل یا شرپسند اصحاب کی جانب سے کبھی تو کچھ تحفظات اور اندیشوں کا ذکر ہوا اور بعض نے ناشائستہ مخالفتوں کا بازار گرم کرنا چاہا۔ لیکن الحمدللہ اسی سرد وگرم ماحول کے درمیان یہ کورس کامیابی کے منازل طے کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔

اسی دوران یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ برج کورس کے اس پنچ سالہ تجربہ کو عوام الناس کی آراء کی کسوٹی پر پرکھا جائے کہ وہ اس کورس اور اس کے اغراض ومقاصد اور حصولیابیوں سے متعلق کیا سوچتے ہیں۔ چنانچہ اس کام کی ذمہ داری معروف اور کہنہ مشق صحافی جناب سہیل انجم صاحب کے سپرد کی گئی۔ سہیل انجم صاحب صحافتی وعلمی دنیا میں محتاج تعارف نہیں۔ وہ ملکی، ملی اور عالمی حالات پر گہری اور دوررس نظر رکھتے ہیں اور ملت کے موجودہ حالات پر آپ کے تجزیاتی تبصرے، خاکے اور مضامین معروف علمی مجلوں میں شائع ہوکر قارئین سے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ آپ سے درخواست کی گئی کہ ''برج کورس'' جوامت کے احیاء اور عظمت رفتہ کی بحالی کی ایک تجرباتی کوشش ہے اس کا ایک منصفانہ، معتدل اور غیر متعصّبانہ تجزیہ پیش کریں۔ جوامت کے اصحاب فکروخرد اور ارباب مدارس کی آراء اور تبصروں کی روشنی میں ہوتا کہ متعلقین برج کورس اسے مزید بہتر بنانے کی منصوبہ بندی کر سکیں۔ اور عمومی طور پر امت میں اس کوشش کے تئیں بیداری پیدا ہو۔ اور اس جیسی اور کوششیں پوری دنیا میں آزمائی جائیں اور ارباب مدارس اور اصحاب دانش اس کے استحکام اور تعاون کے لیے آگے آئیں۔

الحمدللہ سہیل انجم صاحب نے اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے ایک مختصر رپورٹ سپرد قلم کی ہے۔ اس میں امت کے ہر طبقہ کی آراء اور ان کے مضامین کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ مرکز برائے فروغ تعلیم وثقافت مسلمانان ہند موصوف کا مشکور ہے کہ انہوں نے محنت شاقہ کے بعد یہ رپورٹ پیش کی۔ ظاہر ہے کہ اس رپورٹ سے برج کورس کی حصولیابیوں کا ایک ہلکہ ساخاکہ ہی سامنے آئے گا۔ دردمندان امت اگر اس کورس کا قریب سے مشاہدہ کرنا چاہیں تو ان کا برج کورس میں استقبال ہے۔

ڈاکٹر محمد احمد
معاون رابطہ عامہ آفیسر، برج کورس
علی گڑھ ۲۳ مارچ ۲۰۱۸ء

فہرست

''بالآخر مسلمانوں کی گزشتہ تباہی و بربادی کا اصل سبب یہی ہوا کہ انھوں نے دین و دنیا کی وحدت کے نکتہ کو فراموش کر دیا۔ بادشاہ دنیاوی کاروبار کا اور شیخ الاسلام دینی معلومات کا ذمہ دار بنا اور عیسائیوں کی طرح دین اور دنیا کے لیے الگ قیصر اور الگ خدا مقرر کر دیے۔ دینی کاموں کی فہرست الگ تیار کی گئی۔ کچھ لوگوں نے اپنے کو خانقاہوں، مسجدوں اور حجروں میں بند کر کے اپنے کو دین کا خادم کہلایا اور کچھ لوگوں نے دنیا کے بازاروں اور جدوجہد کی صفوں میں پہنچ کر اپنے کو دنیادار قرار دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہل دین ہونے کے مدعی دنیا کے کاموں کے لائق نہ رہے اور کھلم کھلا اہل دنیا کہلانے والے خدا کے خوف و خشیت کو بھلا کر اس کی رضا کی دولت کو کھو بیٹھے۔ اب امت محمدیہ پر فرض ہے کہ وہ دین و دنیا کی وحدت کے اس راز کو سمجھے اور اپنی نجات کی تدبیر تلاش کرے''۔

(دین وحدت، مولانا سید سلیمان ندوی، شاہ ولی اللہ میڈیا فاونڈیشن، ملتان)

باب ۱

مدارس اسلامیہ

عالمی حالات

اس وقت دنیا کے مختلف حصوں میں اتھل پتھل مچی ہوئی ہے۔ بے اطمینانی اور ناآسودگی نے معاشرے میں گھر کر لیا ہے۔ ناانصافی و نابرابری اور ظلم و زیادتی و انتہاپسندی کا دور دورہ ہے۔ کہیں اقتدار کی جنگ ہے تو کہیں سرمایہ و وسائل پر قبضہ کی۔ کہیں مذہب کے نام پر تشدد برپا ہے تو کہیں مسلک کے نام پر۔ کہیں خاندانی تفاخر کے نام پر ایک دوسرے کو مطعون کیا جا رہا ہے تو کہیں ذات برادری اور طبقاتی بالادستی کے نام پر۔ گویا ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق۔ اس ہنگامے نے لوگوں کا چین و سکون چھین لیا ہے۔ آج کا انسان سکون کے حصول کی جتنی کوششیں کر رہا ہے اتنا ہی وہ اس سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ نہ مادیت میں اس کو پناہ مل رہی ہے اور نہ ہی روحانیت میں۔ نہ دنیاپرستی میں اور نہ ہی ترک دنیا میں۔ ایسے میں کچھ مخصوص طبقات پر کچھ مخصوص ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں۔ کیونکہ بہر حال ایسے بحرانی دور میں کچھ لوگوں کو اٹھنا پڑتا ہے اور درد و الم کی شکار انسانیت کے زخموں پر مرہم پاشی کرنی پڑتی ہے۔

مدارس اسلامیہ اور مغرب

نائن الیون سے قبل دنیا کچھ اور تھی اور نائن الیون کے بعد کچھ اور ہو گئی ہے۔ نیویارک کے ٹوین ٹاور پر ہوائی جہازوں سے کیے جانے والے حملوں نے دنیا کی صورت یکسر بدل کر رکھ دی۔ ان حملوں کی صداقت کے بارے میں شکوک و شبہات سے قطع نظر، اس واقعہ کے بعد بڑی طاقتوں کی جانب سے جبر کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس سلسلۂ ظلم و جبر نے جہاں لاتعداد انسانی جانیں نگل لیں وہیں دنیا کی پیشانی پر ایک نئی عبارت بھی تحریر کر دی جس کا مفہوم یہ ہے کہ اسلامی مدارس کے پروردہ افراد امن کے نہیں بدامنی کے پیامبر ہیں۔ انسانیت کے نہیں حیوانیت کے نمائندہ ہیں۔ پیار محبت کے نہیں دہشت و بربریت کے سپہ سالار ہیں۔ جب تک روئے زمین پر ان کا وجود باقی رہے گا دنیا میں امن کا قیام ایک خوابِ پریشاں بنا رہے گا۔ اس بے بنیاد خیال کو مغربی ذرائع ابلاغ نے اپنی گمراہ کن رپورٹنگ سے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کوشش میں بہر حال ان عناصر کا بھی کردار رہا ہے جو خود کو حقیقی اسلام کا نمائندہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اسلام کے نظریۂ سلامتی و رحم دلی پر کشت و خون کا ملمع چڑھاتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کے ساتھ ساتھ ان لوگوں نے بھی نادانستہ ہی سہی، مدارس کو تشدد کی تعلیم کے مراکز کے طور پر پیش کیا اور آج یہ مفروضہ ایک انمٹ لکیر بن گیا ہے، ایک حقیقت کا روپ لے چکا ہے۔

حالانکہ یہ وہی مدارس اسلامیہ ہیں جہاں سے مختلف علوم وفنون کے سرچشمے پھوٹے۔ جہاں تحقیق وتالیف کے معیار قائم ہوئے اور جہاں سے امن وآشتی کی خوشگوار ہوائیں چلیں۔ ان مدارس کے فیض یافتہ افراد نے ادب، فلسفہ، سائنس، طب اور علوم کے دیگر شعبوں میں بے انتہا خدمات انجام دیں۔ لیکن وائے افسوس کہ اب یہ سب ماضی کا قصہ بن چکا ہے۔ آج کی تلخ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی مدارس دہشت و بربریت کے مترادف بن گئے ہیں۔ ان میں تعلیم حاصل کرنے والے انسانیت کے بجائے شیطنت کے نمائندہ قرار پائے ہیں۔ مغربی معاشرے میں اسلام، مسجد، مینارے اور مدارس جیسے الفاظ کی اس طرح تشریح کی جاتی ہے جیسے کہ یہ مغربی دنیا کے خلاف خطرناک اور تباہ کن ہتھیار ہوں۔

''اسلام مخالف پروپیگنڈے نے مغرب کے نئے نازی رجحان رکھنے والے انتہا پسندوں کو قوت دے دی ہے کہ وہ اپنے اسلام مخالف حوصلوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کریں...... دوسری طرف اسلام کی شبیہ یہ بنادی گئی کہ وہ ایک انتہا پسند مذہب ہے جس کے ساتھ استثنائی برتاؤ ہونا چاہیے۔ چنانچہ لفظ ''مدرسہ'' اور اس کے ساتھ ''طالبان'' اہل مغرب کے دہشت گردی کے سوداگر مسلمانوں سے خوف کی نفسیات میں ایک دوسرے کے مترادف بن گئے ہیں۔ ایسا تاثر دیا گیا جیسے عہد وسطیٰ کے کسی محصور جزیرے سے وہ یکا یک باہر نکل آئے ہوں۔ نتیجے کے طور پر گیارہ ستمبر کے بعد مدارس میڈیا کی زد پر آ گئے اور میڈیا سمیت سماج کے دوسرے طبقات نے ان کے خلاف داروگیر کی مہم برپا کر دی''۔

(دینی مدارس: عصری معنویت اور جدید تقاضے، ابراہیم موسیٰ پروفیسر آف اسلامک اسٹڈیز نوٹرے ڈیم یونیورسٹی امریکہ)۔

گمراہ کن پروپیگنڈہ

مغرب میں یہ پروپیگنڈہ کیا جانے لگا کہ مدارس ظلمت پسندی اور ذہنی غلامی کا درس دیتے ہیں جبکہ مغربی تعلیمی ادارے روشن خیالی اور حریت فکر کے داعی ہیں۔ اتنی شدت سے یہ پروپیگنڈہ کیا گیا اور اب بھی کیا جارہا ہے کہ سچ کا سورج جھوٹ کے غبار میں ایسے چھپ گیا ہے کہ اس کے دوبارہ چمکنے میں کافی وقت لگ سکتا ہے۔ یوروپی و امریکی معاشرہ یہ سمجھنے کی گمراہی میں مبتلا ہے کہ اسلامی مدارس مغربی تہذیب کو تباہ و برباد کردینے کے درپے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ طرفہ تماشہ یہ ہے کہ ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے مدارس کو پسماندگی وزبوں حالی کا مترادف بھی سمجھا جانے لگا ہے۔ گویا مدارس اسلامیہ پر دوطرفہ مار پڑ رہی ہے۔ ان کے بارے میں تسلسل کے ساتھ ایسی بے بنیاد باتیں پھیلائی جارہی ہیں اور ان کی شبیہ اس طرح مسخ کی جارہی ہے کہ اہل مغرب کے لیے اسلامی مدارس تباہی کی علامت ہیں تو تیسری دنیا کے لیے غربت و پسماندگی کا استعارہ۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مغرب کی اس پروپیگنڈہ مہم نے بین مذاہب مکالمے کے امکانات کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ اس مہم نے ایک نئی نظریاتی جنگ شروع کردی ہے جو بے حد خطرناک ہے۔ اس جنگ میں نقصان ہر حال میں مسلمانوں کا ہونا ہے۔ مدارس و مساجد کی جو منفی تصویر کشی کی جارہی ہے وہ اہل اسلام کے لیے تو باعث تشویش ہے ہی ان کے لیے بھی ہے جو مختلف تہذیبوں کے مابین مفاہمت کی فضا قائم کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ اسی کے ساتھ کچھ دوسرے حلقوں کا یہ خیال ہے کہ اہل مغرب اس لیے مدارس کے

خلاف مہم جوئی میں مصروف ہیں کہ یہ مدارس حقیقتاً اسلام کے قلعے ہیں اور وہ ان قلعوں سے خائف ہیں۔ اسی لیے وہ ان کو بدنام کرنے میں اپنی پوری قوت صرف کیے ہوئے ہیں۔

مولانا سید رابع حسنی ندوی کے خیال میں ''مسلمانوں کے لیے موجودہ دور مختلف قسم کی اہمیتوں اور تقاضوں کا دور بن گیا ہے۔ اس وقت عالمی پیمانے پر اس امت اسلامیہ کو بے اثر بلکہ بے نام ونشان کر دینے کی کوشش ہو رہی ہے۔ جگہ جگہ ان کی بقا اور دین کے ساتھ ان کے تعلق کو ختم کر دینے کی سازشیں چل رہی ہیں۔ کہیں علمی وفکری میدان میں، کہیں تمدنی وتاریخی میدان میں، کہیں سیاسی و سماجی میدان میں ایسے ایسے فتنے کھڑے کیے جا رہے ہیں کہ اگر ان کے مقابلہ کے لیے ممتاز اہل علم واعلیٰ صلاحیت کے علماء وفضلاء تیار کرنے کا کام نہ کیا گیا تو اس امت کے وجود کو خطرہ پیش آ سکتا ہے''۔

(فکر انقلاب، دہلی، مدارس نمبر، جنوری 2018)

لیکن ایک طبقہ اس رائے کا حامی ہے کہ اس وقت عالمی سطح پر جو خلفشار مچا ہوا ہے اور اہل مدارس کو جس طرح مطعون کیا جا رہا ہے اس کے ذمہ دار کسی نہ کسی حد تک وہ خود بھی ہیں کیونکہ وہ فکری سطح پر ان الزامات کے جواب دینے کی صلاحیتوں سے عاری ہیں۔ اگر وہ دینی ودنیاوی دونوں قسم کے علوم سے بہرہ ور ہوتے تو فکری سطح پر اس پروپیگنڈے کا جواب کہیں بہتر طور پر دے سکتے تھے۔ اسی لیے ان لوگوں کی یہ رائے ہے کہ دینی ودنیاوی علوم کو دو الگ الگ خانوں میں تقسیم کرنا بہت بڑی غلطی ہے اور یہ رویہ خطرناک نتائج کا حامل ہے۔ ان کے خیال میں اپنی سابقہ تاریخ اور دینی مدارس کی عصری علوم سے ناآشنائی یا ان کی طرف سے بے اعتنائی کے نتیجے میں عمومی طور پر ایک طالب علم نہ صرف عصری مسائل کا مقابلہ کرنے کی اہلیت کھو دیتا ہے بلکہ وہ معاشرے میں بھی کسی ممتاز مقام پر پہنچنے سے قاصر رہتا ہے۔ لہٰذا اگر یہ کسی سازش کا نتیجہ ہے تو اس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے اور اگر یہ رائے محض غلط فہمی کی بنیاد پر قائم کی گئی ہے تو اس کو دور کر لینا چاہیے۔

دینی ودنیاوی علوم کی تقسیم

آج کے دور میں وہی آگے بڑھ سکتا ہے جو دینی ودنیاوی دونوں علوم کو ساتھ لے کر چلے گا۔ بہت سے ذہنوں میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ سائنس وتکنالوجی کے آج کے ترقی یافتہ دور میں دینی مدارس کا سماجی کردار کتنا موثر ہے اور کیا یہ ادارے دینی تقاضوں کے ساتھ ساتھ معاشرتی تقاضوں کو پورا کرنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔ دینی مدارس سے فارغ التحصیل علماء کی معاشرے میں کیا حیثیت ہے اور کیا وہ جدید معاشرتی تقاضوں سے ہم آہنگی کی صلاحیت اپنے اندر پاتے ہیں۔ حالانکہ علماء بھی اس بات کا ذکر بار بار کرتے ہیں کہ قرآن کی تعلیمات اور سیرت طیبہ کی روشنی میں علم کی بڑی اہمیت ہے اور یہ کہ علم جہاں بھی ہو اور جیسا بھی ہو، مسلمان کا کھویا ہوا سرمایہ ہے اور اس کا حصول اس کے لیے ضروری ہے۔ چنانچہ علم کو دینی ودنیاوی میں تقسیم کر کے ہم نے اپنے لیے بڑے خسارے کا سامان کر لیا ہے۔ اس تقسیم نے اسلام کی ہمہ گیری اور مسلمانوں کی اجتماعی صلاحیتوں پر بڑے گہرے مگر منفی اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس کے علاوہ

معاشرہ اوراس کے مسائل سے ہماری توجہ بھی ہٹی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیاوی مسائل کا حل ہمارے لیے زیادہ مشکل بنتا جا رہا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی بھی علم کی اس تقسیم کے خلاف تھے۔ان کے خیال میں ''بالآخر مسلمانوں کی گزشتہ تباہی و بربادی کا اصل سبب یہی ہوا کہ انھوں نے دین و دنیا کی وحدت کے نکتہ کو فراموش کر دیا۔ بادشاہ دنیاوی کاروبار کا اور شیخ الاسلام دینی معلومات کا ذمہ دار بنا اور عیسائیوں کی طرح دین اور دنیا کے لیے الگ قیصر اور الگ خدا مقرر کر دیے۔ دینی کاموں کی فہرست الگ تیار کی گئی۔ کچھ لوگوں نے اپنے کو خانقاہوں، مسجدوں اور حجروں میں بند کر کے اپنے کو دین کا خادم کہلایا اور کچھ لوگوں نے دنیا کے بازاروں اور جدو جہد کی صفوں میں پہنچ کر اپنے کو دنیا دار قرار دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہل دین ہونے کے مدعی دنیا کے کاموں کے لائق نہ رہے اور کھلم کھلا اہل دنیا کہلانے والے خدا کے خوف وخشیت کو بھلا کر اس کی رضا کی دولت کو کھو بیٹھے۔ اب امت محمدیہ پر فرض ہے کہ وہ دین و دنیا کی وحدت کے اس راز کو سمجھے اور اپنی نجات کی تدبیر تلاش کرے''۔

(دین وحدت، مولانا سید سلیمان ندوی، شاہ ولی اللہ میڈیا فاونڈیشن، ملتان)۔

سر سید علیگڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کی 10 اپریل 1897 کی اشاعت میں ''انگریزی خواں طالب علم'' کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

''فرض کرو کوئی طالب علم جس میں خدا نے کچھ عقل بھی دی ہو وہ کسی علم کو خاص اس علم کے حاصل کرنے کے لیے پڑھنا چاہتا ہے تو وہ کیا کرے۔ اگلے زمانہ کے علوم جو عربی زبان میں ہمارے ہاں موجود ہیں وہ تو سب ردی، کرم خوردہ اور بوسیدہ ہو گئے ہیں اور چندان میں سے ایسے ہیں جو سر سے پاؤں تک غلط ہیں۔ اس لیے وہ بھی مجبور ہوگا کہ ترقی یافتہ حالت جو ان علوم کی ہے اس کو حاصل کرے۔ پس اگر خدا نے اس کو عقل دی ہے تو وہ بھی مجبور ہوگا کہ انگریزی زبان کے ذریعے سے اس کو حاصل کرے۔ باقی رہ جاتا ہے علم دین۔ اگر اس کے ساتھ اس نے علوم جدیدہ کو نہیں سیکھا تو اس کی مثال کولہو کے بیل سے کچھ زیادہ نہیں ہے جو آنکھیں بند کیے ایک چکر میں پھرے جاتا ہے''۔

(شذرات سرسید، جلد اول، تقدیم وترتیب اصغر عباس)

وہیں دوسری طرف پروفیسر راشد شاز لکھتے ہیں:

''دین و دنیا کی بظاہر اس بے ضرر زمرہ بندی نے مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو کچھ اس طرح دولخت کر رکھا ہے کہ اب بڑے بڑوں کو اس کی شیرازہ بندی کا خیال بھی نہیں آتا۔ صورت حال کی سنگینی کا اندازہ کچھ اس بات سے لگائیے کہ صدیوں سے مسلم معاشرے میں جدید اور قدیم دو الگ الگ ذہنوں کی آبیاری ہوتی رہی ہے۔ ایک علم شرعی کا شناور ہے تو دوسرا علم دنیا کا ماہر۔ ایک کو دوسرے سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ ایک کا وجود دوسرے کے لیے ناقابل انگیز ہے۔ اول الذکر نے اگر علوم شرعی کے حوالے سے آخرت پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے تو ثانی الذکر علوم دنیا میں اپنی مہارت کے سبب خود کو سیادت کا سزاوار سمجھتا ہے۔ مسلمانوں کے یہ دو متحارب طبقے نہ صرف یہ کہ فکری اعتبار سے الگ الگ دنیا میں جیتے ہیں بلکہ زبان و بیان، تہذیب و معاشرت اور اپنے مخصوص ملبوسات سے بھی مسلسل اس بات کی شہادت دیتے رہتے ہیں کہ کبھی بنیان مرصوص کہی جانے والی یہ امت آج دولخت ہو کر رہ گئی ہے۔ جدید تعلیم

یافتہ طبقہ امت کے زوال کے لیے روایتی علما کو موردالزام قرار دیتا ہے جو اس کے بقول بدلتی دنیا کی طرف مسلسل پیٹھ کیے بیٹھے ہیں جبکہ اہل جبہ کو یہ شکایت ہے کہ طبقہ جدید کی بے راہ روی اور اس کو قبولیت عامہ مل جانے کے سبب مسلمان اپنے متعینہ راستے سے دور جا پڑے ہیں''۔

(کتاب العروج، صفحہ 225)

پروفیسر اختر الواسع، سابق صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ و پریسیڈنٹ مولانا آزاد یونیورسٹی جودھپور بھی علم کو دینی اور دنیاوی میں تقسیم کرنے کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اسلام میں علم کی دوئی کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ علم دین و علم دنیا کی تفریق انگریزوں نے اپنے نظام تعلیم کو مسلط کرنے کے لیے پیدا کی۔ اس ملک کو جن لوگوں نے قطب مینار کی بلندی، تاج محل کا حسن، لال قلعے کی پختگی اور شاہ جہانی مسجد کا تقدس عطا کیا وہ مدرسوں سے ہی پڑھ کر آئے تھے۔ 1857 کے بعد ہمارے بزرگوں نے یہ سوچ کر کہ اگر ہم ملک اور حکومت کو نہیں بچا سکتے تو کم از کم اپنی دینی تعلیم ہی کو بچا لیں، دینی تعلیم کے ادارے قائم کیے۔ مگر آزادی کے 70 سال کے بعد میرے نزدیک ایک بار پھر اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے مہتم بالشان علمی سرمایے کی بازیافت کریں۔

ایک ہاتھ میں قرآن دوسرے میں سائنس

بعض دوسرے ماہرین کا بھی کہنا ہے کہ جب یہ کہا گیا کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے تو علم کو دو خانوں میں تقسیم نہیں کیا گیا۔ علم کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ اسے علم دین ہی قرار دیا جائے بلکہ علم کا مفہوم ہمہ قسم کا علم ہے۔ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے بانی اور اپنے وقت کے مرد دانا سرسید احمد خاں نے اس راز کو سمجھا تھا اور انھوں نے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں سائنس کی وکالت کی تھی۔ آج بھی ایسے لوگ ہیں جو دینی و دنیاوی دونوں قسم کے علوم کے حصول اور دونوں کی ہم آہنگی پر زور دیتے ہیں۔

انھیں میں مجلس علمی فاؤنڈیشن کراچی کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد عامر طاسین بھی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ''آج ضرورت پھر اس بات کی ہے کہ دینی مدارس از خود اپنے اردگرد کے مسائل کو سمجھتے ہوئے عملی طور پر ایسا لائحۂ عمل طے کریں جس کی بنیاد پر ہر ایک زبان پر کلمہ جاری ہو سکے کہ آج کے دینی مدارس حقیقت میں علوم و فنون کے جامعات ہیں۔ بڑے بڑے دینی مدارس کو دوسرے مختلف شعبے بھی قائم کرنے چاہئیں۔ ان میں جہاں تخصص فی الفقہ، تخصص فی الحدیث اور تخصص فی التفسیر موجود ہوتے ہیں وہاں تخصص فی الاقتصاد (یعنی جدید و قدیم معاشیات کا تقابلی جائزہ) کو بھی شامل کیا جانا چاہیے۔ اسی طرح مختصر کورسز میں تاریخ بلاد اسلامی اور اس میں تہذیب و تمدن و ثقافت اقوام عالم، تعارف مذاہب عالم (اخلاقی و سماجی طرز عمل کے حوالے سے) اسی طرح علم طب و جراحی، علم خیاطی، علم خطاطی، نشر و اشاعت، علم سماجیات، علم نفسیات، ابلاغیات، جدید معلوماتی ٹیکنالوجی (IIT) اور دیگر چھوٹے چھوٹے شعبہ جات قائم کر کے ایک مثالی جامعہ کے طور پر پوری دنیا میں متعارف کروایا جا سکتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر طالب علم تمام موضوعات پر دسترس حاصل کرے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ہر طالب علم کم از کم کسی ایک دو شعبہ میں مہارت حاصل کر کے اپنا روزگار بہتر طور پر کما سکتا ہے''۔

(فکر انقلاب، دہلی، مدارس نمبر، جنوری 2018)

گویا مدارس میں ایک طرح سے دو قسم کے فکری دھارے مساوی طور پر رواں دواں رہے ہیں۔ ایک فکری دھارا انتہا پسندی یا اپنے موقف میں انتہائی سخت گیری کا نمائندہ ہے اور وہ دینی علوم پر ہی اصرار کرتا ہے تو دوسرا اعتدال پسندی اور لچک کا حامی ہے جو دینی و دنیاوی دونوں علوم کے اتصال کی بات کرتا ہے۔ اس کا جائزہ لینے کے لیے کہ اس معاملے میں ذمہ دارانِ مدارس کیا سوچتے ہیں، ہندوستان میں مدارس کی تعلیم اور ان کے ماحول پر ایک نظر ڈالنی ہوگی۔ تمام مکاتب فکر کے بڑے اور نمائندہ تعلیمی اداروں کا جائزہ لینا یا ان کے رویوں کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

کیا مدارس کے نصاب میں تبدیلی کی ضرورت ہے؟

مذکورہ بحث سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی مدارس کو اپنے نصاب میں کچھ نہ کچھ تبدیلی کرنی چاہیے۔ یہ تبدیلی زمانے سے ہم آہنگ ہو اور اس قسم کی ہو کہ فارغین مدارس کسی کے محتاج نہ رہ جائیں۔ اس سلسلے میں جب ہم نے بہت سے ماہرین سے بات کی تو انھوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ مدارس کے نصاب میں کسی حد تک تبدیلی کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ تبدیلی اتنی بھی نہ ہو کہ مدارس کا نصاب متاثر ہو جائے یا جن مقاصد کے حصول کے لیے مدارس کا قیام عمل میں آیا ہے وہ فوت ہو جائیں۔ بلکہ یہ تبدیلی صرف اس حد تک ہو کہ طلبا کو ضروری عصری علوم سے واقف کرا دیا جائے تاکہ وہ مدارس سے فارغ ہونے کے بعد اگر چاہیں تو دوسرے کورسز میں داخلہ لے سکیں۔ گویا ایک تو ان کی ذہن سازی کی جائے کہ وہ خود کو صرف مدارس و مساجد تک محدود نہ رکھیں بلکہ چاہیں تو دوسرے میدانوں میں بھی جا سکتے ہیں دوسرے یہ کہ اس کے لیے ان کو ضروری علم سے بھی لیس کر دیا جائے۔

مولانا انعام اللہ فلاحی، اسسٹنٹ سکریٹری، شعبہ تعلیمات، جماعت اسلامی ہند، دہلی کہتے ہیں کہ دینی مدارس کے نصاب میں کم از کم اتنی تبدیلی تو آنی ہی چاہیے کہ وہاں بارہویں تک کا عصری کورس داخل کیا جائے۔ ویسے بہت سے مدارس میں عصری علوم پڑھائے جا رہے ہیں۔ لیکن جس قدر اس معاملے میں آگے آنے کی ضرورت ہے اتنی کوشش نہیں ہو رہی ہے۔ ندوہ میں جزوی طور پر یعنی زبان کی حد تک تبدیلی کی گئی تھی لیکن پھر بعد میں وہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ دیوبند سے ملحق مدارس کے ذمہ داران عصری علوم کے قائل نہیں ہیں۔

وہ اس سلسلے میں اہل مدارس کے شکوک و شبہات کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو لوگ مدارس کے نصاب میں تبدیلی کی بات کر رہے ہیں وہ یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ تخصصات میں تبدیلی کی جائے۔ یہ تبدیلی پلس ٹو تک ہونی چاہیے۔ بارہویں تک ہونی چاہیے۔ تخصص جہاں سے ہوتا ہے وہاں سے اسے جاری کیجیے کون روکتا ہے۔ لیکن ایک عالم کو سائنس، سماجیات، کمپیوٹر، معاشیات وغیرہ کی مبادیات سے بھی آگاہ ہونا چاہیے۔ سماج میں کیسے رہنا چاہیے اسے اس بارے میں شعور ہونا چاہیے۔ اس ملک کے دستور و قوانین کے بارے میں اسے جاننا چاہیے۔ برادران وطن کے ساتھ میل جول اور ہم آہنگی کے بارے میں اس کا کیا رویہ ہونا چاہیے یہ سب اسے جاننا چاہیے۔ شاید مدارس کے ذمہ داروں کو یہ خدشہ ہے کہ اگر وہاں کے فارغین دوسرے میدانوں میں چلے گئے تو پھر حافظ مولوی کا کام کرنے والے کہاں ملیں گے۔ حالانکہ یہ خدشات بے بنیاد ہیں۔ ہر سال بہت بڑی تعداد میں لوگ فارغ ہو کر نکلتے ہیں۔ کیا سبھی عصری علوم میں چلے جائیں گے۔ یا سبھی کو ملازمت مل جائے گی۔ اس لیے ان کو جو اندیشے ہیں وہ غلط اور بے بنیاد

ہیں۔اور یہ بھی دیکھنے کی ضرورت ہے کہ مدارس کے بہت سے فارغین انتہائی قلیل تنخواہوں میں کام کرتے ہیں۔کیاان کواس کا حق نہیں کہ وہ معیاری زندگی گزاریں اوران کے جو بھی مادی مسائل ہیں ان کو دوسروں کی مانند حل کریں۔لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ مدارس کے ذمہ داران اس بارے میں سنجیدگی سے غور کریں اوراپنے یہاں نصاب میں بقدرِ ضرورت تبدیلی لائیں۔یہ ملت کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔

ان کی تائید پروفیسر حبیب اللہ خاں،صدر شعبہ عربی،جامعہ ملیہ اسلامیہ بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مدارس کے نصاب میں کم از کم اتنی تبدیلی تو ہونی ہی چاہیے کہ وہ دینی کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم بھی سیکھیں۔مدارس کا کورس بہت پرانا ہے۔اگر وہاں کے فارغین دوسرے کورسز میں داخلہ لینے کے لیے یونیورسٹی میں آتے ہیں تو انھیں بہت سی چیزیں بالکل نئی معلوم ہوتی ہیں۔مثال کے طور پر حساب،جغرافیہ،تاریخ،انگریزی وغیرہ ہر بچے کو جاننی چاہیے۔اس کی مدد سے وہ دینی علوم کو بھی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔اس سے غور وفکر کے زاویے میں تبدیلی آتی ہے اور ذہن میں کشادگی پیدا ہوتی ہے۔اس لیے میرا خیال ہے کہ مدارس کے نصاب میں کچھ تبدیلی ضرور ہونی چاہیے۔

ان کا مزید کہنا ہے کہ سب سے پہلے تو تمام طلبا کی بارہویں تک کی جنرل ایجوکیشن ہونی چاہیے۔اس کے بعد یہ اختیار ہونا چاہیے کہ وہ جدھر جانا چاہیں جائیں۔ان کو اپنی پسند کے کورسز میں جانے کی آزادی ملنی چاہیے۔اگر کوئی طالب علم ان موضوعات کو منتخب کرتا ہے جو اس کے ذہنی میلانات سے میل کھاتے ہیں تو اس کی کامیابی کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں۔آج امت مسلمہ کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ آپ کو عبادت وغیرہ کی آزادی ہے یا نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ آپ کا کورس آپ کو روزی روٹی دے پا رہا ہے یا نہیں۔روزی روٹی سے جوڑنے کے لیے مارکیٹ کی ضرورت کو سامنے رکھنا ہوگا اور اسی طرح کے مضامین پڑھانے ہوں گے۔

لیکن پروفیسر محمد ایوب،سابق صدر شعبہ عربی،جامعہ ملیہ اسلامیہ کہتے ہیں کہ اگرچہ ہم مدارس کے ذمہ داروں سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ اپنے نصاب میں تبدیلی کریں کیونکہ وہ ناراض ہوجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کو مداخلت کرنے کا حق کس نے دیا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یونیورسٹیوں میں اگر اس قسم کا سلسلہ شروع کیا جائے تو بچے بہت آگے جائیں گے۔

پروفیسر عبدالماجد قاضی،شعبہ عربی،جامعہ ملیہ اسلامیہ نے مدارس کے نصاب میں اس قسم کی تبدیلی کی خواہش ظاہر کی جو زمانے سے ہم آہنگ ہو۔لیکن ان کا کہنا ہے کہ یہ مشورہ ہرا ایرا غیرا نہ دے بلکہ یہ کام ماہرین کا ہے۔انھیں مشورہ دینا چاہیے اور بتانا چاہیے کہ مدارس کے نصاب میں تبدیلی کس نوعیت کی کی جائے کہ وہ مفید ہوسکے۔ان کے بقول نظام تعلیم ترقی کا زینہ ہوتا ہے۔اگر وہ فرسودہ ہے تو آپ کیسے ترقی کر پائیں گے۔مدارس کے نصاب کے بارے میں بہت کھلے ذہن کے ساتھ سنجیدگی کے ساتھ اور وسعت قلبی کے ساتھ غور وفکر کی ضرورت ہے۔مدارس کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ اگر کوئی شخص اس قسم کا کوئی مشورہ دیتا ہے تو انھیں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس نے مدارس کے اساتذہ کی قدر ومنزلت پر کوئی سوال اٹھادیا ہے۔بلکہ انھیں اس قسم کی باتوں پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔اس بارے میں منفی نہیں حقیقت پسندانہ سوچ کے تحت کام کرنا چاہیے۔

جامعہ ہمدرد دہلی کے پروفیسر غلام یحیٰ انجم مدارس میں سائنس وغیرہ کی تعلیم کی حمایت تو کرتے ہیں لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ اسے اختیاری مضمون کے طور پر لیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے یو پی بورڈ کا تعلیمی نصاب تیار کیا ہے جس میں انھوں نے منطق، فلسفہ، طب، مبادیات سائنس، سماجی علوم اور تاریخ وغیرہ کو اختیاری مضمون کے طور پر رکھا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر طالب علم مفتی نہیں بن سکتا۔ لہٰذا دوسرے شعبوں میں جانے کی گنجائش رہنی چاہیے۔

جب ہم نے اس بارے میں مدارس کے ذمہ داروں سے بات کرنے کی کوشش کی تو پہلے تو وہ اس کے لیے تیار نہیں ہوئے اور اگر کوئی تیار بھی ہوا تو اس نے مدارس کے نصاب میں تبدیلی کی سختی سے مخالفت کی اور اسے مدارس کے کردار کو ختم کرنے سے تشبیہ دی۔ ان مدارس کے متعدد اساتذہ کا خیال ہے کہ مدارس کو نہیں چھیڑنا چاہیے۔ اگر کوئی دوسرے یعنی عصری علوم پڑھنا چاہتا ہے تو اسکول اور کالج میں جائے اسے کون روکتا ہے لیکن مدارس میں ان کورسز کی تعلیم سے مدارس کا مخصوص کردار متاثر ہو جائے گا۔

لیکن وہ افراد جو مدارس سے وابستہ نہیں ہیں، خواہ ان کا پس منظر مدارس کا ہی کیوں نہ ہو، نصاب میں تبدیلی کی حمایت کرتے ہیں۔ جو لوگ مدرسہ بیک گراونڈ نہیں رکھتے وہ خاص طور پر اس کی وکالت کرتے ہیں۔ لیکن ایسے افراد میں سے بعض کا یہ بھی کہنا ہے کہ مدارس کے نصاب میں تبدیلی کی باتیں کہیں کسی سازش کا حصہ نہ ہوں۔ تاہم کچھ لوگ اس خیال کے حامی نظر آئے کہ تقریباً ایک سو برسوں سے یہ آواز اٹھتی رہی ہے اور اس بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور کیا جانا چاہیے۔ تاکہ ہمارے مدارس کے فارغین صرف مسجد و مدرسہ کے ملا بن کر نہ رہ جائیں۔

باب۲

برج کورس کا قیام

فارغین مدارس کو عصری علوم سے لیس کرنے کے سلسلے میں اختلاف رائے ہے۔ ایک طبقہ جہاں اس کی پرزور حمایت کرتا ہے وہیں دوسرا طبقہ اس کی مخالفت کرتا ہے۔ لیکن اس بارے میں کوششیں شروع ہو چکی ہیں۔ کچھ پرائیویٹ ادارے بھی کسی نہ کسی سطح پر یہ کام کر رہے ہیں۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی اور مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد میں بھی محدود پیمانے پر اس قسم کی کوششیں جاری ہیں۔ متعدد یونیورسٹیوں نے مدارس کی ڈگریوں کو تسلیم کیا ہے اور ان میں مدارس کے فارغین کو بی اے اور ایم اے وغیرہ میں داخلہ دیا جاتا ہے۔ لیکن پیشہ ورانہ کورسز میں داخلے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔

مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور اس نے سابق وائس چانسلر لیفٹیننٹ جنرل ضمیرالدین شاہ کے دور میں برج کورس کا آغاز کیا جہاں فارغین مدارس کو ایک سالہ کورس کرایا جاتا ہے۔ اس کورس میں طلبا کو انگریزی کی استعداد بڑھانے کے علاوہ دوسرے کورسز میں داخلہ لینے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ اسے ایک نہایت مبارک اور مفید قدم مانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کورس کی مدد سے مسلم یونیورسٹی کے بانی سر سید احمد خاں کے خوابوں کو اگر مکمل طور پر نہیں تو کم از کم کسی حد تک ضرور پورا کیا جا سکے گا۔ اس خواب میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے کسی مردِ دانا کی ضرورت تھی اور وہ مرد دانا پروفیسر راشد شاز کی شکل میں مسلم یونیورسٹی کو میسر آ گیا ہے۔ یہ کورس مرکز برائے فروغ تعلیم و ثقافت مسلمانان ہند کے تحت چلایا جا رہا ہے اور پروفیسر راشد شاز اس کے ڈائرکٹر ہیں۔ اس کورس نے کامیابی کے ساتھ پانچ سال مکمل کر لیے ہیں۔ جناب راشد شاذ بھی علم کو دو خانوں میں تقسیم کرنے کے خلاف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس بنیادی نکتے تک رسائی حاصل کر سکے جس کی بار بار نشاندہی سرسید نے کی تھی۔

دو انتہاؤں کے مابین ایک پُل

مدارس اسلامیہ کے اندر موجود دو انتہاؤں کے درمیان برج کورس کا آغاز نتیجہ خیز ثابت ہو رہا ہے جو ماہرین تعلیم کے مطابق ملت اسلامیہ کے علمی زوال کو روکنے میں کسی حد تک ضرور معاون ہوگا۔ پانچ برسوں کی کڑی محنت اور فارغین مدارس کی علوم جدیدہ یا ضروری عصری علوم سے دلچسپی نے نہایت روشن نتائج سامنے لاکر رکھ دیے ہیں۔ اساتذہ کرام اور طلبائے عزیز نے جن زریں خیالات کا اظہار کیا ہے اور کر رہے ہیں وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ برج کورس اپنے اہداف کی جانب کامیابی کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ اس کے طویل مدتی اہداف کا نتیجہ تو ایک عرصے کے بعد ظاہر ہوگا لیکن قلیل مدتی اہداف کی حصولیابی کے لیے اختیار کردہ طریقہ تعلیم نے فوری طور پر

اپنے اثرات ظاہر کیے ہیں اوراس کے خاطر خواہ نتائج نے لوگوں کو چونکا دیا ہے۔

برج کورس میں داخلہ طلبا کے امتحان کے ذریعے ہوتا ہے۔ کامیاب ہونے والے طلبا اسمارٹ کلاس رومس میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔انھیں روایتی انداز کے بجائے جدید انداز میں تعلیم دی جاتی ہے۔ان کے اندر بحث ومباحثہ کا رجحان بڑھایا جاتا ہے۔ اساتذہ کا انتخاب مختلف شعبوں سے کیا جاتا ہے۔نصاب میں مختلف کورسز شامل ہیں۔ان کو بالخصوص انگریزی کی استعداد بڑھانے پر زور دیا جاتا ہے۔ کیونکہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ مدارس کے طلبا انگریزی میں کمزور ہوتے ہیں۔اگر کچھ طلبا انگریزی زبان میں درخواست وغیرہ لکھ لیں تو لکھ لیں ورنہ کوئی مضمون لکھنا ہوتو ان کے لیے مشکل ہوتی ہے۔اسی لیے انگریزی پر خاصا زور دیا جارہا ہے۔ یوں بھی تمام مضامین انگریزی ہی میں پڑھائے جاتے ہیں۔ یہاں تحریری اور تقریری دونوں قسم کی صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ان کو عوام وخواص کے درمیان انگریزی میں تقریر کرنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ یہ طلبا چونکہ ایک نئے ماحول میں داخل ہوتے ہیں اس لیے ان میں تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ بھی ہوتا ہے۔ وہ اس ماحول میں جلد از جلد گھل مل بھی جاتے ہیں۔ مسلم یونیورسٹی کا علمی ماحول بھی ان کے لیے معاونت کرتا ہے۔ایک سال مکمل ہوتے ہوتے ان کے اندر پڑھنے، لکھنے اور بولنے کی ایسی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔

انگریزی میں استعداد پیدا کرنے کے علاوہ جدید کورسز میں بھی باصلاحیت بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جیسے کہ عالمی امور و سیاسیات، سوشل سائنس، پولیٹیکل سائنس، سماجیات، معیاشیات، جغرافیہ، تاریخ، ماس کمیونی کیشن، کمپیوٹر وغیرہ۔تا کہ یہاں سے نکلنے کے بعد وہ اس لائق ہو جائیں کہ ان کے اندر جس میدان میں جانے کا جذبہ اور دلچسپی ہو اس میں وہ آسانی کے ساتھ چلے جائیں۔

صلاحیت سازی بھی، ذہنی توسع بھی

کلاسوں میں ایک اور چیز ہے جو طلبا کے ذہنی افق کو مزید وسیع کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ وہ ہے عقائد کے سلسلے میں تبادلہ خیال۔ ایک مسلک کے اندر مباحثہ اور بین المسالک مباحثہ۔ عام طور پر کوئی بھی مدرسہ جس مکتب فکر سے وابستہ ہوتا ہے اسی فکر کو آگے بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ یا جس مسلک کا ہوتا ہے اسی مسلک کے درست ہونے پر اصرار کرتا ہے اور دوسرے مسالک کی حوصلہ شکنی کرتا ہے یا ان کو غلط تصور کرتا ہے۔ یہ صورت حال مسلکی عناد میں اضافہ کرتی ہے اور دوسروں کو برداشت کرنے کی گنجائش کم سے کمتر کر دیتی ہے۔لیکن جب برج کورس کے طلبا جو کہ مختلف مکاتب فکر کے مدارس کے فارغ ہوتے ہیں، دوسرے مکاتب فکر کے فارغین کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے، گفتگو کرتے اور مختلف مسائل پر تبادلہ خیال اور بحث ومباحثہ کرتے ہیں تو ان کے اندر ذہنی توسع پیدا ہوتا ہے اور ایک دوسرے کو انگیز کرنے کا رجحان فروغ پاتا ہے۔ یہ اپنے آپ میں اتنی عمدہ چیز ہے کہ آج مسلمانوں کو اس کی شدید ضرورت ہے۔اس وقت نہ صرف ہندوستان میں بلکہ پوری دنیا میں جس طرح کا ماحول ہے اس میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد کریں بلکہ فکری سطح پر دوسروں کو جگہ دینے کی گنجائش پیدا کریں۔

اس کورس کو بلاشبہ سابق وائس چانسلر لیفٹیننٹ جنرل ضمیر الدین شاہ اور ڈاکٹر راشد شاز کا ایک انقلابی قدم قرار دیا جا سکتا ہے۔

بہت سے طلبا برج کورس کرنے کے بعد مسلم یونیورسٹی ہی نہیں بلکہ ملک کی دیگر یونیورسٹیوں کے متعدد کورسیز میں داخلہ لے چکے ہیں اور بعض اب مختلف مقامات پر باوقار عہدوں پر فائز بھی ہیں اور اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ برج کورس کو مولانا آزاد ایجوکیشنل فاؤنڈیشن (ایم اے ای ایف) کے ذریعہ حکومتِ ہند کی وزارت برائے اقلیتی بہبود کا تعاون حاصل ہے۔ جنرل ضمیر الدین شاہ نے اپنی ذاتی کوششوں سے دیگر تعلیمی اداروں کے لئے بھی ایک روشن مثال قائم کی ہے کہ کس طرح محدود وسائل میں حکومت کی پالیسیوں کا فائدہ سماج کے حاشیہ پر کھڑے افراد کے تعلیمی واقتصادی فروغ کے لئے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ برج کورس کے اولین بیچ میں 40 طلبا نے داخلہ لیا تھا جو اس کورس کو کامیابی کے ساتھ مکمل کرنے کے بعد مین اسٹریم کورس میں پڑھ رہے ہیں۔ دوسرے بیچ میں 58 طلبا و طالبات تھیں جنھوں نے سو فیصد کورس کو مکمل کیا۔ اسی طرح تیسرے بیچ 2015-16 میں طلبا کی تعداد بڑھائی گئی۔ 2016-17 کے بیچ میں 80 طلبا نے داخلہ لیا۔ پانچویں بیچ میں سو طلبہ و طالبات تھے۔

اسے سابق وائس چانسلر کے خوابوں کی تعبیر کہا جاسکتا ہے کیونکہ برج کورس صرف مدارس کے طلبا کی ضروریات کی ہی تکمیل نہیں کررہا ہے بلکہ وہ عالمی سطح پر سماجی انصاف کے فروغ میں بھی تعاون دے رہا ہے۔ یہاں سے استفادہ کرکے دوسرے کورسز کرنے اور پھر مختلف عہدوں پر فائز ہوکر طلبا نہ صرف اپنا مستقبل سنوار سکتے ہیں بلکہ ملک وملت کی عظیم خدمات انجام دے سکتے ہیں۔

اس کا ایک خوش آئند پہلو یہ ہے کہ اس کے طلبا کو بھی وہی جدید سہولیات دستیاب ہیں جو یونیورسٹی میں دیگر طلبا کو دستیاب ہیں۔ تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ برج کورس کے طلبا کو یہ موقع بھی فراہم ہوتا ہے کہ وہ باوقار ہستیوں کے خطبات سنتے اور ان سے تبادلۂ خیال کرتے ہیں۔ 2015-16 میں برج کورس کو وزٹ کرنے والے چند مشاہیر نے اس کے طلبا سے خطاب کیا۔ جن میں خاص طور پر ہندوستان میں امریکی سفارت خانہ کے سفیر اور یو ایس اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ کے ڈاکٹر جان اسکندر، یو این ایڈوائزر محترمہ صوبی چترویدی، ملیشیا کے سابق وزیرِ خارجہ حامد البار، بی بی سی (لندن) کے صحافی ستیش جیکب، پاکستانی مؤرخ ومصنف ڈاکٹر سلیم منصور خالد، مرسر یونیورسٹی کے پروفیسر لولائڈ ایلین اور سینئر صحافی اور قلم کار رشمی سہگل شامل ہیں۔ اس کے علاوہ برج کورس کے طلبا نے پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفٰے اور حضرتِ عیسیٰ مسیح کے یوم پیدائش کے مواقع پر پروگرام بھی منعقد کئے ہیں۔ ایسے طلبا اور طالبات ہیں جو برج کورس مکمل کرکے قانون کی تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ ان کا مستقبل روشن ہے کیونکہ وہ اسلامی اور قانونی دونوں تعلیمات سے روشناس ہیں۔

برج کورس کا تعارف پروفیسر راشد شاز کی زبانی

مرکز برائے فروغ تعلیم وثقافت مسلمانان ہند کے ڈائرکٹر پروفیسر راشد شاز برج کورس کا تعارف کراتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''ہماری خواہش تھی کہ دینی مدارس کے وہ فارغین جو یونیورسٹی میں عربی، فارسی، اردو اور دینیات کے علاوہ دوسرے تمام علوم وفنون کے دروازے اپنے اوپر بند پاتے ہیں اور جو ایک طرح کی دائمی اور ناقابل تلافی احساس محرومی کے ساتھ یونیورسٹی لائف کی شروعات کرتے ہیں ان کے لیے بھرپور علمی زندگی جینے اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کا ایک باوقار راستہ نکل آئے۔ برج کورس کا یہ تجربہ صرف اہل مدارس ہی کے لیے نہیں بلکہ یونیورسٹی کے لیے بھی ایک خوشگوار اور امید افزا تجربہ ہے۔ ذہین نوجوانوں کی ایک ایسی کھیپ جو دین کے

مراجع وماٗخذ سے راست واقفیت کے سبب تحقیق وجستجو کے جدید مناہج کو متاثر کر سکے، ایسے لوگ اتنی بڑی تعداد میں ہماری جدید دانش گاہوں میں اس سے پہلے اس طرح داخل نہیں ہو سکے تھے۔ یونیورسٹی کی منجمد اور تقلیدی علمی زندگی میں ہم اسے تازہ خون کے داخلے پر محمول کرتے ہیں۔ سوشل سائنس، کمپیوٹر اپلی کیشن، قانون وتجارت اور انگریزی ادب میں فارغین مدارس کی قابل ذکر کامیابی کے بعد اب ہماری کوشش ہے کہ خالص سائنس وٹیکنالوجی بشمول میڈیکل سائنسز اور انجینئرنگ کے دروازے بھی فارغین مدارس پر کھل جائیں''۔

وہ مزید کہتے ہیں کہ ''دینی مدارس میں پڑھائے جانے والے معلومات عامہ اور جغرافیہ وغیرہ کے واجبی علم سے اب نئے سائنسی نصاب کی بنیاد کا کام نہیں لیا جا سکتا۔ جب مشرق کی تابندہ جامعات اس احساس میں جیتی ہوں کہ ان کی پیہم کوششوں کے باوجود سائنس کی نئی فتوحات کا قبلہ وکعبہ اب بھی دور مغرب میں واقع ہے، جب ہمارے سائنسی ماہرین کی فوج ظفر موج اب بھی کیچ اپ سنڈروم سے باہر نہ آسکی ہو وہاں یقیناً ہمیں یہ توقع بھی نہیں کرنا چاہیے کہ موجودہ دینی مدارس سائنسی علوم کی مبادیات کے سلسلے میں کوئی تسلی بخش کام انجام دے سکتے ہیں۔ البتہ اسلام کی تہذیبی تاریخ پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ اس نکتہ سے نا آگاہ نہیں کہ سائنسی فتوحات کے قبلہ وکعبہ کی عالم اسلام میں منتقلی کے لیے لازم ہے کہ اس تحریک کو دینی درسگاہوں اور بالغ نظر علما کی معاونت اور مشائیت حاصل ہو''۔

مستقبل کے قائد

اس کورس کا آغاز پانچ سال قبل کیا گیا تھا۔ اس وقت یونیورسٹی کے وائس چانسلر ضمیر الدین شاہ تھے۔ انھوں نے اس کورس کے آغاز کے لیے خوشی کا اظہار کیا اور انھیں اس پر فخر بھی ہے کہ یہ کورس ان کے دور میں شروع ہوا۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ عالم انسانیت کو ایسے قائدین کی ضرورت ہے جو قرآنی اور عصری دونوں علوم سے لیس ہوں۔ وہ دیگر مذاہب کے بارے میں معلومات کی حصولیابی پر زور دیتے ہیں اور اس امید کا اظہار کرتے ہیں کہ برج کورس کے طلبا مستقبل کے قائد ہوں گے۔ مدارس کے طلبا جب یونیورسٹی میں آتے ہیں تو انھیں ایک نیا ماحول ملتا ہے اور وہ بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ ان کے اندر دینی اور دنیاوی علوم کا امتزاج پیدا ہو رہا ہے۔ ان میں بڑی حیرت انگیز تبدیلیاں دیکھنے کو ملی ہیں۔ ان طلبا کے عزائم بہت بلند ہیں۔ انگریزی میں مہارت کامیابی میں بڑی حد تک معاون ہوگی۔ یہاں سے فارغ ہونے والے طلبا دوسرے میدانوں میں جائیں گے اور ملک وقوم کی خدمت کریں گے۔

برج کورس میں جو نصاب شامل ہے اس پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں مختلف موضوعات میں ایسی مہارت پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جو زمانے سے ہم آہنگی میں مدد دے۔ مثال کے طور پر انگریزی زبان کے نصاب میں طلبا کے اندر چار چیزوں کی مہارت پیدا کی جاتی ہے۔ یعنی سننا، پڑھنا، لکھنا اور بولنا۔ سننے کے لیے ریکارڈ کردہ گفتگو، بولنے کی مہارت کے لیے ایک دوسرے سے گفتگو، سوال جواب، ڈبیٹ وغیرہ کرائے جاتے ہیں۔ جبکہ پڑھنے کی صلاحیت میں اضافہ کے لیے مختلف ادبی وغیر ادبی اقتباسات اور آرٹیکل وشارٹ اسٹوریز وغیرہ دی جاتی ہیں۔

ایک پیریڈ کنسپچول رائٹنگ Conceptual writing کا ہے۔اس میں یہ سکھایا جاتا ہے کہ طلبا اپنا مافی الضمیر بہتر انداز میں کیسے ادا کر سکتے ہیں۔عام معلومات اور عالمی تعلقات کے سلسلے میں ماضی وحال کی دنیا کی تاریخ، ہندوستان کی تاریخ کے اہم واقعات اور دوسری چیزوں کا تعارف کرایا جاتا ہے۔عالمی اداروں کے بارے میں بھی پڑھایا جاتا ہے۔سیاسیات، اس کی تعریف، اسلامی سیاست اور اس کی تعریف، عہد حاضر کی سیاست، سیاسی نظریات، سیاسی شخصیات اور سیاسی تحریکات کے سلسلے میں بتایا جاتا ہے۔ سماجیات میں بنیادی تصورات، سماجی تبدیلیوں، ماحول اور سماج، مغربی ومشرقی سماج، ہندوستانی آبادی اور دیگر تمام متعلقات سے طلبا کو روشناس کرایا جاتا ہے۔اس کے علاوہ جغرافیہ، تاریخ، معاشیات، ریاضیات، کمپیوٹر اپلی کیشن وغیرہ کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔

بین مسالک وبین مذاہب مفاہمہ (Interfaith and Intra-faith Understanding)

برج کورس میں انٹرفیتھ اور انٹرافیتھ اسٹینڈنگ پیدا کرنے کی بھی کوشش کی جاتی ہے۔یعنی مسلمانوں کے اندر جو مختلف مکاتب فکر ہیں جو مختلف مسالک ہیں ان کے سلسلے میں تبادلہ خیال ہوتا ہے۔ایک مسلک کا طالب علم دوسرے مسلک کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتا ہے۔جبکہ اسلام اور دیگر مذاہب کے مابین تقابلی مطالعہ بھی کرایا جاتا ہے۔اس کے بہت سے فائدے ہیں۔بین مسلکی تبادلہ خیال کے نتیجے میں مدارس سے فارغ ہوکر آنے والے طلبا کو نہ صرف یہ کہ دوسرے مکاتب فکر کے بارے میں جاننے کا موقع ملتا ہے بلکہ وہ جب ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے اور گفتگو کرتے ہیں تو وہ بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں جو مدارس میں دوران طالب علمی ان کے اندر پیدا ہوتی ہیں۔مثال کے طور پر کئی طلبا نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ جب وہ مدرسہ سے فارغ ہوکر یہاں آئے تھے تو وہ اپنے مسلکی نظریات کو ہی مقدم سمجھتے تھے اور اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ جو کچھ انھیں پڑھایا گیا ہے وہی صحیح ہے۔دوسرے مسالک میں جو کچھ بھی ہے وہ غلط ہے۔یہاں تک کہ کئی طلبا نے یہ تک اعتراف کیا ہے کہ وہ دوسرے مسلک کے فارغین سے گفتگو بھی کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ایک طرح سے ان کو دوسروں سے نفرت تھی۔لیکن جب انھوں نے باہمی تبادلہ خیال کیا تو ان کے ذہنی افق میں کشادگی آئی اور جہاں انھیں دوسروں کے افکار ونظریات کو سمجھنے کا موقع ملا وہیں دوسروں سے نفرت کا جذبہ بھی کم ہوا اور وہ ایک دوسرے کو انگیز کرنے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔اسی طرح جب انھوں نے دوسرے مذاہب کا مطالعہ کیا تو ان کو ایسی بہت سی باتیں معلوم ہوئیں جو ان کے علم میں نہیں تھیں۔

اگر ہم غور کریں تو پائیں گے کہ جہاں مختلف مذاہب، اقوام، نسلوں اور زبانوں والے لوگ رہتے ہوں وہاں سماجی ہم آہنگی ایک انتہائی ضروری چیز بھی ہے اور ضرورت بھی ہے۔پرامن بقائے باہم، معاشی استحکام اور ترقی سماجی ہم آہنگی پر منحصر ہے۔مذہبی وسماجی ہم آہنگی میں ایک بنیادی مشکل بقول شخصے ''قریب کا رقیب'' ہے۔کچھ لوگوں کے خیال میں بین مذاہب ہم آہنگی کا قیام نسبتاً آسان کام ہے۔اسی طرح بین ثقافتی یا بین ممالک افراد کے مابین ہم آہنگی کا قیام بھی بہت آسان ہے۔جبکہ بین مسالک ہم آہنگی کا قیام نسبتاً مشکل کام ہے۔اور ایک مسلک کی مختلف ذیلی شاخوں کے مابین آہنگی اس سے بھی زیادہ مشکل کام ہے۔

یعنی مسلم، ہندو، عیسائی اور سکھ مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان ہم آہنگی اور بقائے باہم کا کام آسان ہے، جبکہ شیعہ سنی ہم

آہنگی مشکل کام ہے۔اسی طرح سنیوں کی مختلف شاخوں کے مابین اتحاد واتفاق کا قیام نسبتاً مشکل ہے۔مسلکی تعصب کی آگ کو باہمی افہام وتفہیم کے ٹھنڈے پانی سے ہی بجھایا جاسکتا ہے۔یہ اسی وقت ہوگا جب ہم ایک دوسرے کے قریب آئیں گے اور ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔اس سلسلے میں ماہرین کی بھی بڑی حوصلہ افزارائیں ہیں۔ان کا خیال ہے کہ ہمیں نہ صرف اپنے مذہب اور مسلک کے بارے میں جاننا چاہیے بلکہ ہمیں دوسرے مذاہب کا بھی علم ہونا چاہیے۔اس بارے میں مذکورہ شعبے کی جانب سے مختلف مذاہب کے علما کو بھی اظہار خیال کی دعوت دی جاتی ہے۔

مناظرے کا نہیں مکالمے کا دور

مولانا آزاد یونیورسٹی جودھپور کے پریسیڈنٹ (وائس چانسلر) اور سابق صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ پروفیسر اختر الواسع انٹر فیتھ اور انٹرافیتھ مباحثے کے آغاز کی تائید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ”ہم جس زمانے میں جی رہے ہیں وہ نہ مجادلے کا ہے نہ مناظرے کا بلکہ مکالمے کا ہے۔کوئی بھی شخص جو بھی مسلک اختیار کرنا چاہے کرے اس کو اس کا حق ہے مگر ہمیں مسلکوں کو دین کے تابع رکھنا چاہیے نہ کہ دین کو مسلکوں کے تابع۔مسلم یونیورسٹی میں اگر یہ کوشش ہو رہی ہے کہ مختلف مکاتب فکر کے فارغین ایک دوسرے سے بین مسلک مباحثے کریں تو یہ بھی بہت مستحسن کوشش ہے۔اگر ہم ایک دوسرے کے قریب آئیں گے اور ایک ہی مسئلے پر ایک دوسرے کی آرا کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کریں گے تو پتہ چلے گا کہ غلط فہمیاں زیادہ ہیں فصل اور دوری نہیں ہے جیسا کہ سمجھا جارہا ہے“۔

ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ انٹرافیتھ ڈسکشن بھی بہت مفید چیز ہے۔جامعہ ملیہ اور مسلم یونیورسٹی کو ایک شرف یہ حاصل ہے کہ ہم نے اسلامیات کی تعلیم کے ساتھ ہندو دھرم اور بھارتیہ دھرم اور سنسکرتی کو بھی پڑھنا لازمی رکھا ہے کہ یا تو یہ پڑھیں یا پھر یہ پڑھیں۔فارغین مدارس کو برادران وطن کی مذہبی روایت کو بھی جاننا اور سمجھنا چاہیے۔میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت اچھی بات ہے اور اسے اور زیادہ مضبوط کرنا اور پھیلانا چاہیے۔بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اسے لازمی کر دینا چاہیے“۔

اسی طرح پروفیسر محمد ایوب، سابق صدر شعبہ عربی، جامعہ ملیہ اسلامیہ کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کے کورسز کرنے کے بعد ملک کے ماحول میں بھی تبدیلی آئے گی۔برادران وطن کے ساتھ مسلمانوں کا رابطہ تو ہوتا ہی رہتا ہے خواہ کسی بھی صورت میں ہو اور مسلمان دوسروں کے ساتھ ایڈجسٹ کرنا جانتے ہیں۔میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے بارے میں جو غلط فہمیاں ہیں وہ لاعلمی کی بنیاد پر ہیں۔اگر برج کورس کے بعد طلبا دوسرے میدانوں میں جائیں اور لوگوں کو اسلام کے بارے میں بتائیں اور حقیقی اسلام پیش کریں تو مسلمانوں کی بھی اچھی امیج بنے گی اور اسلام کی بھی بنے گی۔

پروفیسر حبیب اللہ خاں صدر شعبہ عربی، جامعہ ملیہ اسلامیہ کہتے ہیں کہ ”میں سمجھتا ہوں کہ اگر مدارس کے طلبا ایسے کورسز کر کے دوسرے شعبوں میں جائیں تو وہاں ان کا رابطہ برادران وطن سے بھی ہوگا۔وہ ایک نئے ماحول میں جائیں گے اور دوسروں سے ان کی ملاقات ہوگی۔میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت کم از کم ہندوستان میں دونوں قوموں میں جو غلط فہمیاں ہیں ان کو اس سے دور کرنے میں مدد

ملے گی۔ اگر ان لوگوں کا آپس میں رابطہ ہوتو وہ سمجھ جائیں گے کہ مسلمانوں کے بارے میں غلط پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے، مسلمان تخریبی سرگرمیوں میں ملوث نہیں ہیں۔ اگر برج کورس کے بعد طلبا دوسرے شعبوں میں جاتے ہیں اور برادران وطن سے ان کا رابطہ بڑھتا ہے تو حالات میں بڑی تبدیلی آئے گی۔ میں نے سنا ہے کہ مسلم یونیورسٹی میں برج کورس کے دوران انٹر فیتھ اور انٹرافیتھ مباحثے بھی ہوتے ہیں۔ یہ بہت مفید چیز ہے۔ اس سے طلبا کے ذہنی افق میں وسعت آتی ہے اور وہ دوسروں کو انگیز کرنے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کرتے ہیں''۔

دماغ کی کھڑکیاں کھولنے کی ضرورت

انگریزی اخبار ملی گزٹ دہلی کے ایڈیٹر اور جامعہ ازہر مصر کے فارغ التحصیل ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں بھی انٹر فیتھ اور انٹرافیتھ ڈائیلاگ کی تائید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''وہاں جو بچے آتے ہیں ان کے دماغ کھل جاتے ہیں۔ وہ جب اپنے مسالک کے کنجلک مباحث سے نکلتے ہیں تو ان کو یہ سمجھنے کا موقع ملتا ہے کہ ان کا دین بہت وسیع ہے اور دنیا بھی بہت وسیع ہے۔ کب تک کسی کو مسلک کی رسی سے باندھ کر رکھا جاسکتا ہے۔ طلبا کو اس سے باہر نکلنا چاہیے۔ اس قسم کے ڈائیلاگ کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر ان کے اندر ایسا کوئی خیال ہے کہ فلاں مسلک کے لوگ مسلمان نہیں ہیں تو ان کا یہ خیال بدلتا ہے اور وہ ایک دوسرے کے تئیں تنگ نظری کے دائرے سے باہر نکل آتے ہیں اور ان کے اذہان کا افق وسیع اور کشادہ ہو جاتا ہے''۔ وہ اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ مدارس میں بھی دوسرے مذاہب کی تعلیم دی جانی چاہیے تاکہ ہمیں ان کے بارے میں بھی معلومات ہوں۔ بین مسالک بات چیت بھی ہو اور بین مذاہب بھی ہو۔ لوگ ایک دوسرے کے مذہب کو سمجھیں اور ایک دوسرے کے خیالات کا احترام کریں تو یہ بڑی اچھی بات ہوگی۔ اللہ کے رسول نے تو دوسرے مذاہب کو برا بھلا کہنے سے منع کیا ہے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز میں استاد ڈاکٹر جنید حارث مدارس کی تعلیم کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہاں ایک خاص قسم کا مزاج بن جاتا ہے اور طلبا میں مسلکی شدت پسندی بہت زیادہ آجاتی ہے۔ لیکن جب وہ یونیورسٹی میں آتے ہیں تو ایک قسم کا ماڈریشن پیدا ہوتا ہے اور دوسرے مسالک کے طلبا سے ان کے روابط قائم ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کو سمجھنے اور اپنے آپ کو دوسروں کو سمجھانے کا ان کو موقع ملتا ہے۔ یہاں آنے کے بعد حقیقت پسندی کی بنیاد پر باتوں کو سمجھنے کا ذہن بنتا ہے۔ خود کو ہی برحق سمجھنے کا مزاج کم ہونے لگتا ہے۔ مزاج میں ایک اعتدال پیدا ہوتا ہے۔ جو انٹرافیتھ اور انٹر فیتھ ڈائیلاگ کا سلسلہ ہے اس سے نہ صرف یہ کہ مختلف مسالک کے مابین مفاہمت کی صورت پیدا ہوتی ہے بلکہ مختلف مذاہب کے درمیان بھی ایک خوشگوار فضا بنتی ہے۔ میرے خیال میں ملک کے موجودہ حالات میں اسے اور آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔

مسلم یونیورسٹی کے بانی سرسید احمد خاں کی پانچویں نسل کے فرزند سید احمد مسعود بھی بین مذاہب مکالمے کی افادیت کے حامی ہیں اور کہتے ہیں کہ آج کے زمانے میں اس کی بڑی اشد ضرورت ہے۔ ہمیں نہ صرف اپنے مذہب اور مسلک کو سمجھنا چاہیے بلکہ دیگر مذاہب ومسالک کو سمجھنا اور ان کا احترام کرنا چاہیے۔ اس کورس کا انٹر فیتھ حصہ قابل قدر ہے اور اس کام کو فروغ دیا جانا چاہیے۔ انھوں نے اس

خواہش کا اظہار کیا کہ برج کورس کا رابطہ قائداعظم یونیورسٹی پاکستان سے بھی ہو اور دونوں یونیورسٹیوں کے طلبا کے اسفار کا علمی تبادلہ ہو۔ اسی طرح انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی پاکستان سے بھی تعلیمی تبادلہ ہونا چاہیے۔

انٹر فیتھ ڈسکشن پر دوسرے مذہب کی اہم شخصیات بھی زور دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر ممتاز سماجی کارکن اور آریہ سماجی رہنما سوامی اگنی ویش ایک ایسی دنیا کی تعمیر و تشکیل پر زور دیتے ہیں جس میں تمام مذاہب کے لوگ مل کر کام کر سکیں۔ وہ اس بارے میں سرسید احمد کا حوالہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ بھی یہی چاہتے تھے۔ انھوں نے اسلام کے اس اصول کی تائید کی کہ تمام انسان برابر ہیں کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر مسلمان توحید کا پیغام لے کر آگے بڑھیں تو تمام تنازعات کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ انھی کی مانند ہندو مسلم جن ایکتا منچ کے بانی صدر سوامی لکشمی شنکر آچاریہ بھی بین مذاہب مکالمے کی تائید کرتے ہیں۔ لیکن وہ اس پر بھی زور دیتے ہیں کہ مسلمانوں کو دنیا کے لوگوں کے دل جیتنے ہوں گے۔

لیکن جامعہ ہمدرد نئی دہلی میں شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے سربراہ ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ اس قسم کے کورسز کرنے سے طلبا میں ذہنی توسع پیدا ہوتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ توسع اتنا زیادہ آجاتا ہے کہ وہ آزاد خیال ہو جاتے ہیں۔ وہ اسلامی وضع قطع سے دور ہو جاتے ہیں۔ انھوں نے Co Education کے بارے میں بھی اپنے تحفظات کا اظہار کیا اور کہا کہ اس سے نوجوانوں کے بگڑنے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ اسی کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہاں اگر طلبا اپنے نفس پر کنٹرول رکھیں تو کوئی برائی نہیں ہے۔ انھوں نے انٹرافیتھ ڈسکشن پر بھی تحفظات کا اظہار کیا اور کہا کہ اگر ایمان کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں ہے تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن اگر اس قسم کی بحثوں سے عقیدہ اور ایمان پر اثر پڑتا ہو تو پھر اس کی تائید نہیں کی جا سکتی۔

عالمی خلفشار کا حل بین مذاہب مکالمے میں پنہاں

انگریزی اور اردو کے سینئر صحافی مظفر حسین سید کہتے ہیں کہ آج دنیا میں جو خلفشار مچا ہوا ہے اور جس طرح مختلف مذاہب کے پیرو ایک دوسرے سے دست بہ گریباں ہیں اس کا فوری علاج یہی ہے کہ بین مذاہب مکالمے کو تیز کیا جائے۔ آج صورت حال اتنی تشویشناک ہوگئی ہے کہ گوتم بدھ کے پیرو بھی جو کہ عدم تشدد کے علمبردار تھے، تشدد پر اتر آئے ہیں۔ خواہ میانمار کا معاملہ ہو یا اب سری لنکا کا۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ایسی خطرناک صورت حال پیدا ہوگئی ہے۔ اس پر غور کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف مذاہب کے درمیان مکالمہ کو تیز کیا جانا چاہیے۔ جگہ جگہ بین مذاہب مکالمے کا اہتمام کیا جانا چاہیے۔ مسلم یونیورسٹی میں اس بارے میں ایک شعبہ ابھی حال ہی میں قائم ہوا ہے، میں اس کی پرزور حمایت کرتا ہوں۔

وہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ برج کورس کے طلبا کو بھی انٹر فیتھ اور انٹرافیتھ ڈسکشن کرائے جاتے ہیں یعنی ان کو ایسے کلاسز میں بیٹھنے کے مواقع دیے جاتے ہیں جہاں نہ صرف یہ کہ مختلف مکاتب فکر کے مدارس سے فارغ ہونے والے طلبا باہمی گفت و شنید کرتے ہیں بلکہ انھیں دوسرے مذاہب کے بارے میں بھی بتایا جاتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں اس وقت کی ضرورت ہیں۔ مسلمانوں کے درمیان جو مسلکی اختلافات ہیں اگر وہ اس حد تک بڑھ جائیں کہ اس کی بنیاد پر الگ الگ مسلک کے لوگ ایک دوسرے کے دشمن بن

جائیں اور ایک دوسرے کو کافر قرار دینے لگیں تو پھر یہ صورت حال ملت کے لیے زہر ہلاہل سے کم نہیں۔ اس لیے اگر وہاں اس قسم کا ماحول پیدا کیا جا رہا ہے تو یہ بڑی اچھی بات ہے۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ اس کے پروگراموں میں جہاں علما کو بلایا جاتا ہے وہیں ہندو مذہب کی علمی اور مذہبی شخصیات کو بھی مدعو کیا جاتا ہے۔ اگر یہ بات درست ہے تو بڑی اچھی بات ہے۔ شنکرآچاریہ وغیرہ وغیرہ کو ضرور بلانا چاہیے۔ اور اگر ممکن ہو تو ان کے ساتھ طلبائے برج کورس کے تبادلہ خیال کا سیشن بھی رکھا جانا چاہیے۔ تاکہ اگر ان کے دلوں میں ہندو مذہب سے متعلق کوئی سوال یا شکوک وشبہات ہیں تو وہ رفع ہو سکیں اور سوالوں کے جواب مل سکیں۔ اسی طرح اگر ممکن ہو تو عیسائی مذہب کے رہنماؤں کو بھی مدعو کیا جانا چاہیے۔ اگر یہ سلسلہ آگے بڑھتا ہے تو اس سے سرسید کے مقاصد کے حصول میں کسی حد تک ضرور کامیابی مل سکتی ہے۔ کیونکہ وہ بھی مذہبی اتحاد کے علمبردار تھے۔

کیا کہتے ہیں برج کورس کے طلبا؟

اس بارے میں طلبا کیا سوچتے ہیں یہ بھی دیکھنا کافی اہم اور دلچسپ ہوگا۔ انھوں نے الگ الگ انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور بین مسالک مکالمے کا حصہ بننے پر مسرت ظاہر کی۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کی مدد سے انھیں ایک روایتی خول سے باہر آنے کا موقع ملا۔ وہ ابھی تک ایک کوئیں کے مینڈک بنے ہوئے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ وہی حق پر ہیں باقی سب باطل کی نمائندگی کرتے ہیں۔ وہ ایک قسم کی مسلکی عصبیت کے شکار تھے۔ لیکن جب انھوں نے دوسرے مکاتب فکر کے تعلیم یافتہ طلبا اور فارغین سے گفت وشنید کی اور ان کے مسلکوں کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو انھیں اندازہ ہوا کہ وہ تو شدید غلط فہمی کے شکار تھے۔ افہام وتفہیم کا دروازہ کھلا تو ان کا واسطہ ایک نئی فضا سے پڑا اور ان کو ایسی بہت سی چیزیں نظر آئیں جو ابھی تک ان کی آنکھوں سے اوجھل تھیں۔ اس مکالمے کے نتیجے میں ان کی آنکھوں پر چڑھا ہوا تعصب کا چشمہ اتر گیا اور انھیں اس بات کا احساس ہوا کہ دوسروں کو انگیز کرنا وقت کی ضرورت ہے۔ انھں یہ بھی احساس ہوا کہ مسلک کے خانوں میں بٹ کر انھوں نے نہ صرف خود کو بلکہ اسلام کو بھی نقصان پہنچایا ہے۔

دل کی دنیا بدل گئی

عبداللہ فقہ حنفی کے مدرسے سے فارغ التحصیل ایک ایسے طالب علم ہیں جن کے ذہن میں بہت زیادہ مسلکی شدت تھی اور وہ دوسروں کی کتابیں پڑھنے تک کے روادار نہیں تھے۔ لیکن جب وہ بین مسالک مباحثے کا حصہ بنے تو ان کے دل کی دنیا ہی بدل گئی۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلے جب فرقوں اور مسالک کی بات آتی تھی تو ذہن الجھ جاتا تھا لیکن اب وہ حالت نہ رہی۔ کیونکہ انسان جب تک ایک خانے اور گھرانے میں رہتا ہے تب تک وہ دوسرے خانے کے بارے میں صحیح اور غلط دونوں سوچتا ہے۔ لیکن جب اس خانے سے واقفیت ہو جاتی ہے پھر اس کے بارے میں اپنی عقل کے موافق فیصلہ کرتا ہے۔ میں نے اپنی اس الجھن اور پریشانی کو دور کرنے کے لیے دوسرے مسلک اور فرقوں کی کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ سب سے پہلے جو میرے لیے باعث پریشانی رہا وہ غیر مقلدیت ہے۔ کیونکہ جب میں نے اس کے بارے میں یہ پڑھا کہ یہ فرقہ صرف اور صرف قرآن وحدیث کو حجت مانتا ہے تو میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ کیا اجماع اور قیاس کے بغیر ہمارا کام چل سکتا ہے۔ میں نے اس فرقہ کے متعلق ''مطالعہ غیر مقلدیت'' وغیرہ پڑھی تو معلوم

ہوا کہ یہ باہر کچھ ہے اور اندر کچھ اور۔اسی طریقے سے میں نے قادیانیت کا مطالعہ کیا اور اب بھی میں الگ الگ فرقوں کے بارے میں ان کی لکھی ہوئی کتابوں کو پڑھ رہا ہوں۔تاکہ تمام مسالک کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں یہ معلوم ہو سکے کہ آیا جس پر ہم ہیں حق ہے بھی یا نہیں۔کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنے آباء واجداد ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس دارِ فانی سے کوچ کر جائیں۔اب ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ فی الحال اپنے اس گھر سے باہر نکلا جائے اور دوسروں کے گھروں میں جھانکا جائے تاکہ حق و باطل کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

تلاشِ حق کی میری اس سرگرمی کو اس وقت مزید قوت ملی جب میرا داخلہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے برج کورس میں ہو گیا۔کیونکہ یہاں ہمیں ایک پلیٹ فارم ملا "La Madraza" جیسی سوسائٹی کا،جس کے تحت ہفتہ واری پروگرام کا انعقاد کیا جاتا ہے جس میں برج کورس کے علاوہ یونیورسٹی کے دیگر شعبوں کے طلباء بھی حصہ لیتے ہیں۔اس پروگرام کے انعقاد کا مقصد یہ ہے کہ ہم ان مسائل پر گفتگو کریں جن کے بارے میں ہم الجھن کے شکار ہیں۔جیسے پردہ،تقلید اور اجتہاد وغیرہ۔آج کے وقت میں یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ پر اس سوسائٹی کے تحت کافی بحث ومباحثہ ہوا۔ہر ایک کی طرف سے عقلی ونقلی دلیلوں کی بوچھار ہوئی۔جس کے نتیجے میں ہمیں ایک نئی طرح سے سوچنے کا موقع ملا۔سوچنے اور سمجھنے کا ہمارا انداز بدلا۔خود ہم نے بھی اس مسئلہ پر بحث ومباحثہ اور اپنی عقل کے موافق سمجھنے کی کوشش کی اور کر رہے ہیں۔

باہمی ہم آہنگی کو فروغ دینے کا مثالی پلیٹ فارم

ایک اور طالب علم دربھنگہ بہار کے محمد تمیم،جنھوں نے مدرسہ دارالعلوم الاسلامیہ پھلواری شریف پٹنہ اور دیوبند سے تعلیم حاصل کی ہے،اس طریقہ تعلیم وتحقیق کا حمایت کرتے ہیں۔وہ اس پلیٹ فارم سے مختلف مکاتب فکر کے طلبا کے مابین قائم ہونے والی اتحاد و اتفاق کی فضا کو ایک خوشگوار فضا تصور کرتے ہیں۔یہاں انھیں اس بات کا ادراک ہوا کہ مسلمانوں کو افتراق وانتشار کے بجائے اتحاد سے کام لینا چاہیے۔محمد تمیم کہتے ہیں کہ برج کورس ایک علمی درسگاہ،مثالی تربیت اور فکری دانش گاہ ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے درمیان ایک نئے اسلامی تہذیب وثقافت اور ہم آہنگی کو فروغ دینے کا ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جہاں مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فکر کے نوجوان باکمال فضلاء جمع ہوتے ہیں اور اس پلیٹ فارم پر آنے کے بعد تمام اختلافات کو مذاکرات کی میز پر رکھ کر عقلی پیمانے پر پرکھنے کا عمل سکھایا جاتا ہے۔تاکہ تمام مکاتب فکر کے طلبہ کی اتحاد کی شکل میں ایک علمی اور عملی نمونہ انتشار وافتراق کی شکار امتِ مسلمہ کے سامنے آئے۔چنانچہ کچھ ہی دنوں میں ہم طلبہ کے درمیان ایک ایسی ہمدردی اور غمگساری کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے جس کے بارے میں کبھی ذہن ودماغ نے سوچا بھی نہ ہوگا۔

ایک اور طالب علم رزاق احمد کے خیال میں ہمارا مقصد اصلی ہے دین کا کام کرنا اور جب ہم انگریزی اور دوسرے Subjects وغیرہ سے واقف ہوں گے تو اپنا کام بخوبی انجام دے سکیں گے اور ان علوم کے ساتھ ہم اس جگہ پہنچ سکتے ہیں جہاں کا ہم نے خواب ہی نہ دیکھا تھا۔اس کورس میں رہ کر ہم نے اپنے اندر بہت فرق محسوس کیا خاص کر انگریزی میں۔جب ہم مدرسے میں رہتے ہیں تو ہمارے ذہن میں کچھ اختلاف رہتے ہیں جیسے مسلکی تعصب بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ایک دوسرے فرقہ والوں کی کتابیں پڑھنا گوارا

نہیں کرتے۔ ہاتھ ملانا اچھا نہیں سمجھتے۔لیکن اس کورس میں اختلاف والے ذہن کو اتحاد والے ذہن میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ اختلاف ختم کرنے کی سوچ دی جاتی ہے اور میں یہ کہنا چاہوں گا کہ برج کورس تمام علوم کے ساتھ ساتھ اتحاد کا ایک پلیٹ فارم بھی ہے۔ اس کورس سے صرف مدارسِ اسلامیہ کو ہی فائدہ نہیں بلکہ پوری قوم کو بھی ہے۔ ہمارا مقصد دین کا کام کرنا ہے اور انشاءاللہ ہم اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے انھیں subjects میں دین کا کام کریں گے اور جو لوگ اردو عربی سے واقف نہیں انھیں ہم انگریزی میں بتائیں گے، انشاءاللہ۔

صحت مند تنقیدی شعور اجاگر ہوا

لکھنؤ کے طالب علم جنید احمد نے بھی اپنا روایتی مسلکی تعصب تج دیا۔ ان کے خیال میں یہ طریقۂ تعلیم طلبا کے اندر ایک تنقیدی شعور پیدا کرتا ہے۔ ایک ایسا شعور جو تنقیص کا نہیں بلکہ صحت مند تنقید کا حامل ہے اور جس کے ذریعے معروضی انداز میں اختلافات کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ وہ برج کورس کے اس طریقۂ تدریس کے مداح ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں ہمیں جو عظیم فکر اس کورس کی مدد سے حاصل ہوئی ہے، ابھی تک ذہن اس سے کوسوں دور تھا۔ یہ عظیم فکر دین سے متعلق ہے۔ میں بذاتِ خود اس چیز کا قائل تھا کہ قولِ امام ہمارے لیے دلیل ہے۔ بلا غور و تامل اس کے آگے سر تسلیم خم کر لینا ہی درست اور راہ نجات ہے۔ میں نے اپنی ذہن سازی کچھ اس ڈھنگ سے کر رکھی تھی کہ صاحب قدوری، صاحبِ ہدایہ، صاحبِ شرح العقائد نے جو موقف بیان کر دیا وہی برحق ہے۔ شاید کہ میں نے ان کو وحی کے مساوی مان لیا تھا۔ اسلام کی آفاقیت سے بہت دور اسلام کو محدود سمجھ رکھا تھا۔ لیکن اس کورس میں داخلے کے بعد جو تبدیلی آئی وہ میرے لیے باعث صد مسرت ہے۔ اس کورس میں پڑھایا جانے والا ایک فن جس کو Inter & Intra-Faith سے تعبیر کیا جاتا ہے اس میں میں نے عظیم مفکر اسلام کے ذریعے اسلام کی آفاقیت کو سمجھا۔

جنید احمد مزید کہتے ہیں کہ اس فن نے ہمیں critical-thinking کی لیاقت پیدا کرنے کی ترغیب دی تاکہ ہم اپنے ذہن میں توسع پیدا کر سکیں اور جس کا جو مقام ہے اس کو اسی مقام پر رکھیں۔ کسی بھی چیز کو اولاً قرآن اور دوم سنت رسول ﷺ کی تعلیم کو پیش نظر رکھتے ہوئے سمجھنا چاہیے۔ کچھ اس طرح کے نظائر مجھے برج کورس نے فراہم کیے۔ اس کورس میں ایک چیز جو مجھے باعثِ صد افتخار لگی وہ یہ کہ اس کورس نے تمام طلبہ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا۔ یہ ایک صحت مند ڈبیٹ کے ذریعے ممکن ہو سکا۔ اس کورس میں پڑھنے والے سلفی، دیوبندی، ندوی، بریلوی مختلف فکر و نظر کے طلبہ کو خوش گوار ماحول فراہم کیا گیا۔ ایک پلیٹ فارم پر اگرچہ پوری طرح سے یہ طلبہ متفق نہیں ہیں لیکن ان کے مابین جو شدت تھی وہ ضرور کافور ہو گئی ہے۔ ہم تمام لوگ اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ ''انا اول المسلمین''۔ میں سب سے پہلے مسلمان ہوں۔ پھر اہل سنت والجماعت ہوں یا کچھ اور۔

تلاش حق کا سفر

بہار کے سرور عالم پہلے سے ہی ایک تحقیقی مزاج رکھتے تھے لیکن اس مزاج کو صحیح سمت ابھی تک نہیں ملی تھی۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ ان کا مزاج یکطرفہ تھا۔ وہ دوسروں کو وسیع النظری سے دیکھنے کا اس طرح روادار نہیں تھا جس طرح اسے ہونا چاہیے یا ایک تعلیم یافتہ شخص کا مزاج جیسا ہونا چاہیے۔ انھوں نے بہار میں دربھنگہ اور اتر پردیش میں ندوۃ العلما لکھنؤ کی ایک شاخ میں تعلیم حاصل

کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تحقیقی ذوق تو عالیہ درجات میں داخل ہونے کے بعد پیدا ہو گیا تھا۔لیکن اس تحقیقی شعور میں اگر حد درجہ اضافہ کا احساس ہوا تو وہ برج کورس علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلے کے بعد ہوا۔ یہ ایک مسلمہ بات ہے، اس میں مبالغہ کا کوئی پہلو نہیں۔ یہاں آنے سے پہلے ذہن میں اتنی کشادگی نہیں تھی۔ ہم نے عام طور سے یہ دیکھا ہے کہ بریلوی مکتبِ فکر کے حلقے اور ان کے اداروں میں یہ درس دیا جاتا ہے کہ وہ دیوبندی مکتبِ فکر یا جماعت اسلامی اور وہابی فکر کی کتابوں سے اجتناب کریں اور اسی طرح دیوبندی اور دوسرے حلقوں میں بھی یہ بیماری عام ہے۔ ان مکاتبِ فکر کے حاملین کو یہ خدشہ رہتا ہے کہ وہ اگر دوسروں کی کتابیں پڑھیں گے تو صحیح راستے سے جس کو ''صراط مستقیم'' کا نام دیا جاتا ہے بھٹک جائیں گے۔ کاش اس طرح کے تحقیقی شعور کی داغ بیل ان اداروں میں ڈالی جاتی جہاں ایک طالب علم اپنی کمسنی میں حقیقت کو سمجھنے کا خواہاں ہوتا ہے اور اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ بڑی تعداد ان اداروں سے اپنا رخت سفر باندھ کر عملی زندگی میں قدم رکھتی ہے، پھر اسی نہج پر اپنی بقیہ زندگی گزارنے کا فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ مدرسہ کا پڑھا ہوا ہر طالب علم تو اس طرح کے شعبوں سے منسلک نہیں ہو پاتا جن کا تعلق تحقیق اور تلاش حق کی جستجو سے ہو۔ بہر حال! امر واقعہ یہ ہے کہ حق کی تلاش میں قرآن وحدیث جو اسلام کے دو بنیادی اور اہم سرچشمہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اگر ان کو سامنے رکھتے ہوئے تلاشِ حق کا سفر جاری رکھیں تو یقیناً صحیح اور غلط کے مابین امتیاز کرنے کا شعور پیدا ہوگا اور پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو عقل دی ہے اسے ایک بہت بڑی نعمت سمجھ کر قرآن وسنت کی روشنی میں استعمال کرنے سے منزل پر پہنچنا یقینی ہو جائے گا۔

اتر پردیش کے ضلع سنت کبیر نگر موضع پیائی کے طالب علم محمد اسلم کو ابتدا میں یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ انھیں اس قسم کے کلاسز میں جانا بھی چاہیے یا نہیں۔ انھیں یہ سوچ کر ہی الجھن ہوتی تھی کہ دوسرے مکاتب فکر کے حاملین کے ساتھ بیٹھ کر گفتگو کرنی ہوگی یا تبادلہ خیال اور بحث ومباحثہ میں حصہ لینا ہوگا۔ لیکن جب ایک بار ہمت کر کے انھوں نے اس کلاس میں قدم بڑھایا تو انھیں احساس ہوا کہ یہ تو بہت اچھی چیز ہے اور یہ کہ وہ بلا وجہ الجھن کے شکار تھے۔ محمد اسلم کہتے ہیں کہ برج کورس میں آنے کے بعد میں نے ایک اسٹیج Inter-faith and Intra-faith Understanding کے نام سے پایا جس کے تحت ایک پروگرام ہوتا ہے جس میں ایک دوسرے مکتبہ فکر کے علماء کی باتیں ہوتی ہیں۔ ان باتوں کو تمام لوگ سنتے ہیں اور اس پر غور کرتے ہیں کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ہم سب ایک امت اور ایک نبی کے ماننے والے ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ شروع شروع میں اس پروگرام سے بہت زیادہ الجھن ہوتی تھی اور میں کسی اور مکتب فکر کے لوگوں کی باتیں سننا ہی نہیں چاہتا تھا۔ میں اس سے دور بھگتا تھا۔ لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد مجھے احساس ہوا کہ مجھے اس پروگرام میں ضرور بیٹھنا چاہیے اور دوسرے لوگوں کی باتیں ضرور سننی چاہئیں۔ بالآخر میں نے بھی اس پروگرام میں بیٹھنا شروع کیا اور مجھے اس سے خاطر خواہ فائدے ہوئے، میں نے بڑا خوشگوار نتیجہ دیکھا۔ میرے اندر ایک دوسرے کے خلاف جو نفرتیں اور عداوتیں تھیں وہ دور ہو گئیں۔ اب میں ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کرتا ہوں۔ ساتھ میں کھانا کھاتا ہوں۔ یہاں تک کہ میں ایک دوسرے کے پیچھے نماز بھی پڑھتا ہوں چاہے وہ کسی بھی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو۔

باب۳

برج کورس کی کامیابیاں وحصولیابیاں

برج کورس کے بارے میں الگ الگ حلقوں سے الگ الگ باتیں کی جاتی رہی ہیں۔علما کا وہ طبقہ جس میں روایت پسندی زیادہ ہے وہ اسے بہت اچھا قدم نہیں مانتا۔لیکن وہ علما جن کے اندر توسع ہے یا جو بہت زیادہ روایت پسند نہیں ہیں،اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔لیکن اس بات سے سبھی اتفاق کرتے ہیں کہ عہد حاضر کا مقابلہ کرنے کے لیے اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ہوگا۔ اگر زمانہ کی ترقی میں شامل ہونا ہے تو وہی وسائل وذرائع اختیار کرنے ہوں گے جن سے اس میدان میں مدد مل سکے۔اگر چیلنجوں کا مقابلہ کرنا ہے تو ان ہتھیاروں سے مدد لینی ہوگی جو ان چیلنجوں کو شکست دینے میں معاون ہو سکیں۔موجودہ عہد عصری علوم کا ہے۔دینی علوم سے کوئی انکار نہیں کرسکتا لیکن عصری علوم کی اہمیت بھی اپنی جگہ پر مسلم ہے۔

علمی ارتقا کا مرکز

یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ برج کورس بنیادی طور پر فارغین مدارس کے علمی ارتقا کے لیے شروع کیا گیا ہے اور علمی ارتقا کی اہمیت سے کوئی بھی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ایسے میں جبکہ اسلام میں علم پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے،کوئی بھی مسلمان اس سے انحراف کی جرأت نہیں کرسکتا۔ برج کورس میں جتنی محنت وجاں فشانی سے تعلیم دی جاتی ہے اس کی مثال بہت کم ملے گی۔یہی وجہ ہے کہ انتہائی قلیل مدت میں طلبا کے اندر زبردست صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہاں سے نکلنے کے بعد وہ دوسرے کورسز میں آسانی سے داخل ہو جاتے ہیں۔اس کا رزلٹ صد فیصد آرہا ہے۔یہاں سے فارغ ہونے کے بعد کئی طلبا نے انگریزی،معاشیات اور یہاں تک کہ قانون یعنی ایل ایل بی میں بھی داخلہ لیا ہے۔اس کے علاوہ طلبائے برج کورس نے اپنی اعلیٰ اخلاقی قدروں کا بھی مظاہرہ کیا ہے۔انھوں نے جہاں اپنے نصابی مضامین میں مین اسٹریم طلبہ پر سبقت حاصل کی وہیں یونیورسٹی میں منعقد ہونے والے علمی وادبی مقابلوں میں انھوں نے درجنوں تمغے حاصل کیے اور ریکارڈ بنایا۔ان طلبا کے عزائم بہت بلند ہیں۔وہ ملک کی مختلف یونیورسٹیوں میں جارہے ہیں اور اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کررہے ہیں۔

مسلم یونیورسٹی کے BSW کے مقابلہ جاتی امتحان میں برج کورس کے ایک طالب علم مولانا نہال احمد ندوی نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔ان کا سلیکشن دہلی یونیورسٹی میں انگریزی آنرس میں بی اے میں ہوگیا تھا لیکن اب وہ مسلم یونیورسٹی کی لا فیکلٹی کے ایک ہونہار طالب علم ہیں۔

اسی طرح ایک دوسرے طالب علم بلال اصدق نے مگدھ یونیورسٹی بہار کے بی سی اے میں داخلہ حاصل کیا ہے۔اس کے علاوہ

اشرف قاسمی اور سلمان ندوی کو بی سی اے اور ہوٹل مینجمنٹ میں داخلہ ملا۔ متعدد طلبا کو جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی یونیورسٹی اور جے این یو میں مختلف کورسز میں داخلہ ملا ہوا ہے۔

برج کورس کی تعلیمی کامیابیوں نے بیرون ملک مقیم طلبائے قدیم علیگڑھ کو بھی حوصلہ بخشا ہے اور انھوں نے ان طلبا کے لیے وظیفے کا اعلان کیا ہے۔ پیشکش کرنے والوں میں سرفہرست نام ملیشیا کے پروفیسر اسرار احمد کا ہے۔ گویا عالمی پیمانے پر برج کورس کی پذیرائی ہو رہی ہے۔ برج کورس کے معاون رابطہ عامہ افسر ڈاکٹر محمد احمد کے مطابق برج کورس میں سائنسی تعلیم کا اضافہ خوش کن ہے۔ اس سے اس کی مقبولیت میں اور اضافہ ہوگا۔ اب اس کورس کے ذریعے فارغین مدارس بھی ڈاکٹر، انجینئر اور سائنس داں بنیں گے۔ ان کا یہاں تک کہنا ہے کہ اگر مدارس کے فارغین اپنے دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم سے بھی لیس ہوں تو عالمی قیادت کا منظر نامہ بدل سکتا ہے۔ اس وقت عالمی پیمانے پر خدا بیزاری کا رجحان مسلط ہے اور تعصب و تنگ نظری نے انسانیت کو زخم خوردہ کر رکھا ہے۔ اس کے زخموں پر مرہم یہی لوگ لگا سکتے ہیں۔

راستہ بھی چھوٹا اور منزل بھی قریب

ان کا مزید کہنا ہے کہ مسلمانانِ ہند کی ترقی کا جو خواب سر سید نے دیکھا تھا اس سے طبقۂ علما اور طلبائے مدارس کو فیض حاصل کرنے کا موقع کم ملا، یا ملا بھی تو بہت طول طویل تھا۔ مدارس کا لمبا سلسلہ مکمل کرنے کے بعد طلبا کو از سر نو اپنی تنظیم کرنے کی ضرورت ہوتی تھی جس کی وجہ سے عمر عزیز کا خاصا وقت لگ جاتا تھا۔ کوئی ایسا مختصر راستہ نہیں تھا جسے اختیار کر کے اعلیٰ عصری تعلیم حاصل کی جا سکے۔ اسی ضرورت کی تکمیل کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق وائس چانسل ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل ضمیر الدین شاہ نے برج کورس کا آغاز کیا۔ اس کورس کی تکمیل کے بعد طلبا اس قابل ہو جاتے ہیں کہ وہ سرِ دست آرٹس یا سوشل سائنس اور قانون کے شعبوں میں بھی داخلہ لے سکیں۔ اس کے لیے یونیورسٹی کے اربابِ حل وعقد مزید منصوبہ بندی میں مصروف ہیں۔

ماضی قریب میں مدارس کے فارغین نے اعلیٰ عصری تعلیم کے حصول کی جو انفرادی کوششیں کی ہیں اور جس کے نتیجے میں چند ایک کو کامیابی بھی ملی ہے اس کی مثال آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ البتہ اب برج کورس کے قیام کے بعد توقع ہے کہ فارغین مدارس کے ایک بڑے ذہین طبقہ کو اجتماعی طور سے اعلیٰ مقاصد کے حصول کا وافر موقع ملے گا۔ ہندوستان میں مدارس اسلامیہ کے عناصر ترکیبی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات نکل کر آتی ہے کہ امتِ مسلمہ جسد واحد اور بنیان مرصوص ہونے کے بجائے افتراق سے دوچار ہے۔ وسعتِ ظرفی، وسعتِ قلبی، وسعتِ نظری کے بجائے لایعنی امور کے تقدس کی شکار ہے۔ مسلکی، گروہی، جماعتی اور نہ جانے کن کن عصبیتوں نے اسے جکڑ رکھا ہے۔ اس کے نتائج بد کا ہم آئے دن اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ برج کورس کے قیام کا پوری امتِ مسلمہ کو بلکہ پوری انسانیت کو ایک فائدہ اور ملنے کی توقع ہے، وہ یہ کہ مختلف مدارس فکر کے طلبا یہاں داخلہ لے کر مثبت مباحثوں کے ذریعے باہم شیر و شکر نظر آتے ہیں۔ خود ساختہ مسموم تقدس کی جو شراب انھیں پلائی گئی ہوتی ہے برج کورس کے تریاق کے ذریعے آہستہ آہستہ اس کے اثراتِ بد زائل کر دیے جاتے ہیں۔

خوش آئند تجربہ

ڈاکٹر محمد احمد کہتے ہیں کہ برج کورس کا عملی تجربہ بڑا خوش آئند ہے۔ مجھے بھی وقتاً فوقتاً کچھ کلاسز لینے کا موقع ملا۔ طلبا کے خیالات سے آگاہی ہوئی۔ ان کے گروپ ڈسکشن میں بھی شرکت رہی۔ ان سے بعض عنوانات پر مختصر مضامین بھی لکھوائے گئے۔ ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ ابتدا میں ذہنیت کے اثرات کھل کر سامنے آئے۔ لیکن رفتہ رفتہ برج کورس کا تریاق کام کرتا رہا اور بالآخر وہ سب بلا امتیاز ''بنیانِ مرصوص'' اور جسدِ واحد'' نظر آنے لگے۔ مجھے یاد ہے برج کورس میں طلبا جب داخلہ کے لیے آئے اور انھوں نے داخلہ لے کر یکم نومبر 2013ء سے اپنی باقاعدہ تعلیم کا آغاز کیا تو اس وقت سے تقریباً سیشن کے اختتام تک ڈائرکٹر برج کورس پروفیسر راشد شاز نے اپنی جیب خاص سے اس کے تمام اخراجات پورے کیے اور اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کر کے یونیورسٹی کے مختلف شعبوں بالخصوص شعبۂ انگریزی کے لائق اساتذہ کی اعزازی خدمات حاصل کیں۔ ان اساتذہ نے نہایت اپنائیت اور محبت کے ساتھ اپنے فرائض مخلصانہ طور سے ادا کیے۔ ان سب کا متفقہ خیال یہ تھا کہ مدارس کے ان گریجویٹس کے اندر قوتِ ادراک اور قوتِ حافظہ بہت مستحکم ہے اور یہ سخت محنت کے عادی ہوتے ہیں۔ اگر ان کی صحیح طور سے رہنمائی کی جائے تو ان کا مستقبل تابناک ہوسکتا ہے۔ سرسید نے امتِ مسلمۂ ہند کی ترقی کا جو خواب تقریباً سوا صدی قبل دیکھا تھا اور اس کے تانے بانے بن کر ''مدرسۃ العلوم'' کے نام سے جو بنیاد رکھی تھی اور جو برگ وبار لاکر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی شکل میں ایک تناور درخت بن چکا ہے، برج کورس اسی خواب کی تعبیر کی ایک اہم کڑی ہے۔ سابق شیخ الجامعہ مبارکباد اور شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے فارغین مدارس کے روشن وتابناک مستقبل کے دروازے کھولے اور سرسید اور شیخ الہند کی آرزوؤں، تمناؤں اور خوابوں کی تعبیر کی راہ آسان کی ہے۔

مدارس اسلامیہ کے روایتی نظامِ تعلیم سے متعلق بعض لوگ یہ کہتے ہوئے ملے کہ مدارس کا یہ روایتی اسٹرکچر دراصل وقت، قوت اور سرمایہ تینوں کا سراسر ضیاع ہے۔ اس کا out put ان تینوں کے لحاظ سے صفر ہے۔ یہ سب کچھ اور اس سے کہیں آگے اسی وقت، قوت اور سرمایہ کے ساتھ بہت کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس کی مثالیں ماضی میں بالعموم ملتی ہیں اور موجودہ دور میں خال خال دکھائی دیتی ہیں۔ موجودہ حالات میں یہ تو ممکن نظر نہیں آتا کہ مدارس کے روایتی نظام میں کوئی تبدیلی لائی جاسکے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ ان فارغین کو فراغت کے بعد اچھی رہنمائی دے کر اعلیٰ تعلیم کے حصول کی راہیں کشادہ کی جاسکتی ہیں اور انسانیت کو ان کی صلاحیتوں سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کیا جاسکتا ہے۔

برج کورس کے پانچ سال کے تجربات بڑے حوصلہ افزا ہیں اور اس کی امید باندھنے میں ہمیں مدد دیتے ہیں کہ اگر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو ملت اسلامیہ کو ایسے علمی سپوت حاصل ہو جائیں گے جو دنیا کی دیگر اقوام سے آنکھ سے آنکھ ملا سکیں اور اسلام اور مسلمانوں پر ان کے اعتراضات کا انھی کی زبان میں جواب دے سکیں۔ یہ صورت حال بڑی خوش کن ہے اور ملت اسلامیہ کے ایک خوشگوار اور بہتر مستقبل کی جانب اشارہ کرتی ہے۔

باب۴

ماہرین تعلیم ودانشوران ملت کے احساسات

ہم نے متعدد ماہرین تعلیم اور دانشوارنِ ملت سے مسلمانوں کی تعلیمی صورت حال پر تفصیلی گفتگو کی تو اندازہ ہوا کہ وہ بھی ایک ایسی صبح کے انتظار میں ہیں جب ملت اسلامیہ کے درخشاں مستقبل کا سورج طلوع ہوگا۔ان کا خیال ہے کہ اگر چہ دینی علوم میں ملت کے پاس علمی سپوتوں کی کمی نہیں اور ایسے رجال کار موجود ہیں جو علوم اسلامیہ کو دنیا بھر میں پھیلا سکیں۔لیکن ان کا یہ بھی احساس ہے کہ معاملہ صرف دینی علوم سے بننے والا نہیں ہے۔دنیا کی دیگر اقوام نے عصری علوم حاصل کر کے خود کو اوجِ ثریا پر فائز کر لیا ہے اور دیگر سیاروں پر کمندیں ڈالنے کی تیاری کر رہے ہیں۔لیکن مسلمانوں کے پاس ایسے علمی افراد نہیں ہیں جو عصری علوم کے میدان میں دوسری اقوام کا مقابلہ کر سکیں یا ان کے شانہ بہ شانہ چل سکیں۔ایسا نہیں ہے کہ عصری علوم کے مسلم ماہرین ہیں ہی نہیں، البتہ ان کی تعداد جس قدر ہونی چاہیے وہ نہیں ہے۔اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ حصول علم کی خواہش مند نسلیں زیادہ تر اسلامی مدارس کی زینت بنتی ہیں۔ اور اسلامی مدارس میں علوم شرعی کی تعلیم تو دی جاتی ہے لیکن علوم عصری سے بیگانگی اختیار کی جاتی ہے۔1857 کے بعد مسلم اکابرین نے جن مدارس کا قیام کیا تھا ان کا مقصد اس وقت کی ضرورت سے ہم آہنگ تھا۔لیکن اب حالات بدل گئے ہیں۔لیکن ان مدارس میں پہلے جو نصاب پڑھایا جاتا رہا ہے وہی اب بھی پڑھایا جا رہا ہے۔گویا علامہ اقبال کی زبان میں: دنیا تو گئی چاند ستاروں سے بھی آگے، ہم بیٹھے مصلے پہ دعا مانگ رہے ہیں۔مصلے پر بیٹھ کر دعا مانگنی اگر ضروری ہے تو میدان عمل میں نکل کر اقوام عالم کے شانہ بہ شانہ یا اس سے آگے چلنا بھی ضروری ہے۔بہت سے ماہرین تعلیم کا خیال ہے کہ اسلامی مدارس کا نصاب بہت فرسودہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے طلبائے مدارس وقت اور زمانہ سے آنکھیں ملانے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کرنے میں ناکام ہیں۔گویا یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلامی مدارس کے نصاب میں تبدیلی کی ضرورت ہے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا علم کو دینی اور عصری یعنی دو خانوں میں تقسیم کیا جانا چاہیے۔کیا اسلام میں علم کو دینی اور دنیاوی کہا گیا ہے یا صرف یہ کہا گیا ہے کہ علم حاصل کرو خواہ کہیں بھی جانا پڑے؟

ہم نے مدارس اسلامیہ کے نصاب میں تبدیلی کے سلسلے میں ماہرین تعلیم کی رائے جاننے کی کوشش کی تو ان اشخاص نے جن کا مدرسہ بیک گراونڈ تو ہے مگر مدارس سے وابستہ نہیں ہیں، نصاب میں کسی حد تک تبدیلی کی خواہش ظاہر کی۔اسی طرح وہ لوگ جو مدرسہ پس منظر نہیں رکھتے وہ بھی اس کے حامی ہیں۔لیکن اہل مدارس اس کے لیے تیار نہیں ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ مدارس کا مقصد دنیا کمانا نہیں بلکہ دین کی خدمت کرنا ہے اور علوم اسلامیہ کے ماہرین پیدا کرنا ہے۔اگر ہم بھی دنیاوی مقاصد کے حصول میں مصروف ہو جائیں تو ہم میں اور ان میں کیا فرق رہے گا۔

مفتی اور محدث بھی چاہئیں، ڈاکٹر اور انجینئر بھی

پروفیسر اختر الواسع کہتے ہیں کہ مجھے خوشی ہے کہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں یہ سلسلہ شروع ہوا ہے اور برج کورس کے ذریعے قدیم وجدید علوم کے درمیان جو دوری تھی اور علم دین وعلم دنیا کے نام پر جو نا روا تقسیم تھی اس کو ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کے بہتر نتائج بھی سامنے آ رہے ہیں۔ ہمارے معاشرے کو جس طرح مفتیوں، قاضیوں، مفکروں، محدثوں اور متکلموں کی ضرورت ہے اسی طرح ہمیں ڈاکٹر اور انجینئر کی بھی ضرورت ہے۔ اختصاص کے جو دوسرے علمی میدان ہیں اس کی بھی ہمیں ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہاں جو کام شروع کیا گیا ہے وہ بہتر نتائج لے کر آئے گا۔ برج کورس دو نظام تعلیم کی یکجائی نہیں ہے بلکہ حجت الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی اور علیگڑھ کے پیر دانا سر سید احمد خاں کی بھی یکجائی ہے۔ یہ کورس ان دونوں کی فکر کا سنگم ہے۔ فارغین مدارس کے اندر محنت کرنے کی عادت ہوتی ہے اور ان کے یہاں گہرائی و گیرائی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لہٰذا اگر ان پر توجہ دی جائے اور بہتر انداز میں ان کی تربیت ہو تو وہ ہمیں بہترین نتائج دے سکتے ہیں۔

باہمی افہام وتفہیم اور رابطہ کاری کی ضرورت

ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت عالمی سطح پر جو مباحث جاری ہیں ان کو سمجھنے کے لیے کیا صرف اسلامی مدارس کو مرکز میں رکھنا ہوگا یا پھر عصری علوم کے مراکز اور دانش گاہوں کو بھی اس تسلسل میں جوڑنا ہوگا؟ یہ سوال بہت بامعنی اور اہم ہے۔ کیونکہ بہر حال اس سے انکار کی گنجائش بہت کم ہے کہ مدارس کے طلبہ اور یونیورسٹیوں اور کالجوں کے اسٹوڈنٹس ایک دوسرے کو شکوک وشبہات کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ وہ خود کو برتر اور دوسرے کو کمتر سمجھتے ہیں۔ اسٹوڈنٹس کے دلوں میں یہ خیال جڑیں جمائے ہوتا ہے کہ ملکی و بین الاقوامی مسائل، عالمی سیاست اور عصری تقاضوں کی جتنی سمجھ ان کو ہے اتنی اہل مدارس کو نہیں ہے۔ وہ چونکہ انگریزی سمیت دیگر عالمی زبانوں سے بھی واقفیت رکھتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک معاملات کو سمجھنا زیادہ آسان ہوتا ہے بہ نسبت فارغین مدارس کے۔ لیکن کچھ اسی قسم کے خیالات فارغین مدارس کے ذہن و دماغ میں بھی اپنا گھر بنا لیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ چونکہ وہ دنیاوی امور کو مذہبی نقطہ نظر سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس لیے وہ ان کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اور بدلتے ہوئے حالات میں خود کو ڈھال سکتے ہیں۔ اس میں بہر حال کوئی شک نہیں کہ مدارس کے فارغین جب عصری تعلیمی اداروں میں حصول علم کے لیے جاتے ہیں تو انھیں وہاں ایک نیا اور بالکل الگ ماحول ملتا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وہ بہت جلد اس سے مانوس ہو جاتے اور خود کو اس سے ہم آہنگ کر لیتے ہیں۔ لیکن اگر ایسا ہی موقع عصری تعلیم گاہوں کے فارغین کو فراہم کیا جائے تو کیا وہ بھی خود کو مدارس کے ماحول میں آسانی سے ڈھال سکیں گے، اس سوال کا بھی جائزہ لینا چاہیے۔

بہت سے ماہرین تعلیم و ماہرین سماجیات اس خیال کے حامی ہیں کہ دینی مدارس کے پروردہ افراد کو عصری علوم سے بھی لیس کیا جانا چاہیے اور اگر ممکن ہو سکے تو اسٹوڈنٹس کو بھی اسلامی مدارس کی فضا اور ماحول سے روشناس کرایا جانا چاہیے۔ اس بات سے قطع نظر کہ کن مکاتب فکر کے مدارس میں کیسی تعلیم دی جاتی ہے یا کیسا نصاب تعلیم رائج ہے، اگر فارغین مدارس کو عصری علوم سے بہرہ ور کرنے

کی کوئی کوشش کی جائے تو اس کے بہت شاندار اور حوصلہ افزا نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم اپنے ملک میں مختلف میدانوں میں نمایاں خدمات انجام دینے والی شخصیات کی فہرست پر نظر ڈالیں تو ہم پائیں گے کہ ان میں بیشتر ایسے لوگ ہیں جو مدارس کے فیض یافتہ اور فارغین ہیں۔ گویا اگر فارغین مدارس کو موقع ملے تو ان کے اذہان کی مٹی فوراً نم ہو سکتی ہے اور وہ اپنی زرخیزی سے معاشرے کو فائدہ پہنچا سکتی ہے۔

اس خلیج کو پاٹنا ضروری ہے

اس سے کوئی بھی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا کہ حاملین علوم شرعیہ اور علمبرداران علوم جدیدہ کے مابین ایک گہری کھائی موجود ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ مزید وسیع ہوتی جا رہی ہے۔ یہ کھائی جتنی زیادہ بڑھے گی ملت اسلامیہ اتنے ہی نقصانات سے دوچار ہوگی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کو پاٹا جائے اور دونوں طبقات کو ایک دوسرے کے قریب لایا جائے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سرسید نے تعلیم کے سلسلے میں جو خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر سے ہم لوگ اب بھی محروم ہیں۔ یہ تعبیر اسی صورت میں ہمارے سامنے جلوہ گر ہو سکتی ہے جب مذکورہ خندق پاٹ دی جائے اور دونوں طبقات میں ہم آہنگی قائم ہو جائے۔ یہ ہم آہنگی ظاہری نہیں بلکہ معنوی ہونی چاہیے۔ معنوی ہم آہنگی یا یگانگت اسی صورت پیدا ہو سکتی ہے جب دونوں طبقات کا فکری اتصال ہو۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اگر دونوں ایک دوسرے کے علوم سے استفادہ نہ بھی کر سکیں تو کم از کم فارغین مدارس اپنی طرف سے قدم بڑھائیں اور عصری علوم کے ہتھیار سے لیس ہو جائیں۔

پروفیسر حبیب اللہ خاں، صدر شعبہ عربی، جامعہ ملیہ اسلامیہ اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ برج کورس کا آغاز بہت اہم اور مبارک قدم ہے۔ جو بچے یونیورسٹی لائن میں آنا چاہتے ہیں وہ صرف عربی، فارسی اور اردو تک محدود نہ رہیں بلکہ دوسرے کورسز میں بھی جائیں۔ اس کے لیے برج کورس بہت بہترین زینہ ہے۔ مدارس کے بچے بہت محنتی، باصلاحیت اور نظم وضبط کے پابند ہوتے ہیں۔ ان کے لیے برج کورس کرنا بہت آسان ہے۔ وہ دوسرے کورسز میں برج کورس کے بعد جا سکتے ہیں۔ نفسیات، ماس کام، انگریزی، سماجیات میں جا سکتے ہیں۔ یا پھر چھوٹے موٹے ٹریننگ کورسز میں بھی جا سکتے ہیں۔ میں اہل مدارس سے گزارش کروں گا کہ آجکل بہت سے چھوٹے موٹے کورسز ہوتے ہیں۔ بچے وہ اگر کر لیں تو وہ یونیورسٹی میں آئیں یا نہ آئیں وہ ٹیکنیکل کورسز کے ذریعے روزی روٹی کما سکتے ہیں۔

کامیابی کا بہترین راستہ

مولانا انعام اللہ فلاحی، اسسٹنٹ سکریٹری، شعبہ تعلیمات، جماعت اسلامی ہند، دہلی کہتے ہیں کہ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کا برج کورس مدارس کے فارغین کے لیے کامیابی کا ایک بہترین راستہ ہے۔ یہ ملت کے لیے اور ملت کے نوجوانوں کے لیے بہت بڑی خدمت ہے۔ وہ طلبا جو انگریزی سے نابلد ہیں۔ جو سوشل سائنس کے بارے میں نہیں جانتے۔ معاشیات سے جن کا کوئی علاقہ نہیں۔ کمپیوٹر کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں رکھتے۔ تاریخ، جغرافیہ، ریاضیات اور دیگر علوم سے جن کی شناسائی نہیں ہے اور جو زبان کی

سطح پر انگریزی سے بھی واقف نہیں ہیں، برج کورس سے ان کو مین اسٹریم میں لے آیا جاتا ہے۔ اب وہ جس شعبے میں جانا چاہیں جائیں، جو کورس کرنا چاہیں کریں۔ ان میں اتنی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ کہیں بھی فٹ ہو سکتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ اس برج کورس کا اتنا شاندار نتیجہ ہے کہ رشک آتا ہے کہ دوسرے ادارے ایسا کیوں نہیں کرتے۔ میں تو کہتا ہوں کہ تمام یونیورسٹیوں اور کالجوں میں بھی برج کورس کرایا جانا چاہیے۔ وہاں سے نکلنے والے بچوں کو حوصلہ بھی ملتا ہے اور کام کرنے کے مواقع بھی ملتے ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ کئی نئے مضامین پڑھ لیتے ہیں بلکہ ذہنی طور پر ان میں ایک کشادگی آجاتی ہے۔ توسع آجاتا ہے۔ دوسروں کو انگیز کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہاں سے نکلنے والے بچے اور بچیاں ایل ایل بی بھی کر رہے ہیں۔ اور اس بات کی آج شدید ضرورت ہے کہ مسلم لڑکیاں بھی ایل ایل بی وغیرہ کر کے میدان عمل میں آئیں۔ کیونکہ اگر کوئی عالمہ ایل ایل بی کر کے پریکٹس کرے تو وہ عدالتوں میں مسلم اور اسلامی موقف کی تائید میں پیش پیش ہوگی۔ اور یہ بہت بڑا کام ہوگا۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ وہاں مختلف مکاتب فکر کے طلبا جب ایک دوسرے کے رابطے میں آتے ہیں تو وہ ایک دوسرے کی فکر کو سمجھنے لگتے ہیں اور پھر ان میں ذہنی توسع پیدا ہوتا ہے اور باہمی ہم آہنگی کی فضا قائم ہوتی ہے۔

پروفیسر محمد ایوب، سابق صدر شعبہ عربی، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے خیال میں محنت کرنا مدارس کے طلبا کی عادت بن جاتی ہے۔ وہ بہت سخت کوشی کے ساتھ اپنی تعلیم میں مشغول رہتے ہیں اور پھر وہاں سے فارغ ہو کر دوسرے میدانوں میں جاتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز بہت جلد سیکھ جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر مدارس کے طلبا کو موقع دیا جائے کہ وہ برج کورس کر کے نئے نئے علوم سیکھیں تو وہ بہت آگے جا سکتے ہیں۔ مسلم یونیورسٹی میں جو برج کورس چل رہا ہے اس کے بارے میں میں نے بہت کچھ سنا ہے۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد میں بھی برج کورس چل رہا ہے۔ یہ مدارس کے فارغین کے لیے بے حد مفید چیز ہے۔ ہمارے طلبا کو اگر اس قسم کے مواقع ملیں تو وہ بہت اچھا کر سکتے ہیں۔

پروفیسر عبدالماجد قاضی، شعبہ عربی، جامعہ ملیہ اسلامیہ برج کورس کے بارے میں لاعلمی کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن وہ اس طریقہ تعلیم کی تائید بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں مسلم یونیورسٹی میں چل رہے برج کورس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا لیکن میں اصولی طور پر اس طریقہ تعلیم کا حامی ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ جہاں بھی ایسے کورسز چل رہے ہوں مدارس کے فارغین اس سے فائدہ اٹھائیں۔ البتہ مسلم یونیورسٹی سے برج کورس کرنے والے طلبا عملی زندگی میں کتنے کامیاب ہیں اس بارے میں ہمارے پاس معلومات نہیں ہیں۔ اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ کورس اپنے مقاصد میں کامیاب ہے تو یہ دعویٰ ثبوت چاہتا ہے۔ لیکن میں اصولی طور پر اس سے اتفاق رکھتا ہوں اور اس کا خیر مقدم کرتا ہوں اور میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ دوسرے اداروں میں بھی اس قسم کے کورسز چلائے جانے چاہئیں۔

فارغین مدارس کی دشواریاں

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ مدارس کے طلبا کو مدارس کی چہار دیواری سے باہر آنے کے بعد بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا

ہے۔ بہت سے طلبا یہ سمجھ ہی نہیں پاتے کہ انھیں اب کیا کرنا ہے اور کدھر جانا ہے۔ ان کے سامنے کوئی متعینہ راستہ نہیں ہوتا۔ بہت سے طلبا ایسا محسوس کرتے ہیں کہ وہ ایک چوراہے پر آ گئے ہیں اور انھیں یہ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ وہ جائیں تو کدھر جائیں۔ ان کے سامنے یا تو مدارس کی طرف جانے والا راستہ کھلا ہوتا ہے یا پھر کوئی ایسا راستہ جو مسجد تک لے جاتا ہے۔ مسجد میں بھی یا تو موذن کی جگہ خالی ملتی ہے یا پھر امام کی۔ لیکن ہر مسجد میں موذن اور امام کی جگہ خالی ہو ہی اس کا امکان نہیں ہوتا۔ اس لیے بہت سے طلبا مجبور ہو کر ایسا راستہ اختیار کرتے ہیں جو ان کی اب تک کی تعلیم سے ہم آہنگ نہیں ہوتا یا اس کے منافی ہوتا ہے۔ وہ ان ذرائع معاش کی تلاش میں نکل پڑتے ہیں جو کم تعلیم یافتہ یا ناخواندہ افراد کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ کیونکہ بہر حال انھیں بھی روزی روٹی کی ضرورت ہوتی ہے اور جب کوئی باعزت راستہ نہیں ملتا تو آدمی مجبور ہو کر ناپسندیدہ راستہ بھی اختیار کر لیتا ہے۔ کچھ طلبا ایسے پیشوں میں چلے جاتے ہیں جو ان کے لیے بالکل موزوں نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی عالمانہ شان ختم ہو جاتی ہے اور وہ اس صف میں جا کر کھڑے ہو جاتے ہیں جو ناخواندہ یا کم پڑھے لکھے افراد کے لیے مخصوص ہوتی ہے۔ اگر مدارس میں ایسی تعلیم دی جائے کہ وہاں سے باہر آنے کے بعد طلبا اپنی عالمانہ شان کو برقرار رکھ کر یا کم از کم اس سے سمجھوتہ نہ کر کے کوئی راستہ اختیار کر سکیں تو ان کا بھی بھلا ہوگا اور ملت کا بھی ہوگا۔

اس دشواری کا ادراک ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں، ایڈیٹر ملی گزٹ و فاضل جامعہ ازہر مصر کو بھی ہے۔ وہ فارغین مدارس کے سامنے عملی میدان میں پیش آنے والی مشکلات کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ جب فارغ ہو کر باہر آتے ہیں تو ان کے سامنے دنیا ایک عجیب و غریب معمہ ہوتی ہے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا کریں۔ لہٰذا مدراس سے نکلنے کے بعد ان کے سامنے کوئی راستہ ہونا چاہیے جس پر چل کر وہ آگے بڑھ سکیں۔ میرے خیال میں برج کورس اسی طرح کا ایک راستہ ہے۔ اس کا مقصد ان طلبا کو یونیورسٹی کے کورسز میں داخل ہونے کے لیے تیار کرنا ہے۔ وہاں سے نکلنے کے بعد وہ کچھ کورسز میں داخل ہو سکتے ہیں۔ یعنی آرٹ وغیرہ کے کورسز میں۔ لیکن وہ کافی نہیں ہے۔ ان کو صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اور بھی کچھ چاہیے۔ لہٰذا اس کے ذریعے وہ بعض کورسز میں داخلہ لے رہے ہیں۔ مدارس میں سائنس اور میتھس وغیرہ تو پڑھایا نہیں جاتا۔ کیونکہ ان موضوعات کو بہت گہرائی کے ساتھ پڑھنے کے بعد ہی آدمی ان کورسز میں جا سکتا ہے۔ گویا یہ ایک راستہ ضرور ہے لیکن میرے خیال میں یہ کافی نہیں ہے۔ اس میں کتنے بچوں کو داخلہ ملتا ہوگا۔ ڈیڑھ دو سو بچوں کو۔ جبکہ ہر سال ہزاروں بچے فارغ ہو کر نکلتے ہیں۔ لیکن ان کے لیے کوئی راستہ نہیں کھولا گیا ہے۔ مدارس سے باہر آنے کے بعد ان بچوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ جو ڈگری ان کے ہاتھ میں ہے دنیا میں اس کا کوئی خریدار نہیں ہے سوائے اس کے کہ ان کے اپنے اداروں میں ان کی اہمیت ہو۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں مزید کہتے ہیں کہ مدارس میں بھی ایسے کورسز پڑھائے جانے چاہئیں۔ اس مسئلے کو مدارس ہی میں حل کر لیا جائے تو زیادہ اچھا ہوگا۔ یعنی وہاں بھی وہ موضوعات پڑھائے جائیں جو وہاں سے آنے کے بعد وہ پڑھتے ہیں۔ انگریزی، ہندی، میتھس وغیرہ۔ میں نے اس سلسلے میں ایک مضمون لکھا تھا اور بتایا تھا کہ جامعہ ازہر مصر میں اس قسم کے کورسز پڑھائے جاتے ہیں۔ ہمارے ساتھ المیہ یہ ہے کہ پچھلے دو سو سال سے ہم نے ایک ایسا نظام تعلیم اپنا لیا ہے جو آج کی دنیا سے کٹا ہوا اور ہٹا ہوا ہے اور جسے دنیا

اور خود ہماری حکومت تسلیم نہیں کرتی۔ تعلیم وہی ہے جو ہم کو دین کے ساتھ ساتھ دنیا سے بھی جوڑے اور جس زمانے میں ہم رہ رہے ہیں اس کا صحیح ادراک ہمیں دے تا کہ ہم اپنے مسائل کو بخوبی حل کرسکیں اور دوسروں کے سامنے اپنے موقف کو طاقتور طریقے سے رکھ سکیں۔ افسوس ہے کہ ہمارے مدارس کی تعلیم ہم کو یہ نہیں سکھاتی۔

مدارس یادورگزشتہ کی یادگاریں؟

وہ مزید کہتے ہیں کہ ہندوستان کے موجودہ مدارس پچھلے زمانے کی یادگاریں ہیں۔ یعنی ان کا شمار آثار قدیمہ میں ہونا چاہیے۔ یہ مدارس انگریزوں کے برصغیر پر قبضے کے بعد اس نظریے سے قائم کیے گئے تھے کہ حکومت کے زیر انتظام اسکولوں میں اب انگریزوں کی مرضی اور ان کی خواہش کے مطابق تعلیم دی جائے گی جس سے ہمارے بچے بگڑ جائیں گے۔ اسی کے ساتھ انگریز سے نفرت کی وجہ سے ان کی زبان سے بھی ہمیں شدید نفرت ہوگئی تھی۔ ہم نے جدید علوم کی بھی مخالفت کی اور انہیں اپنے مدارس میں پھٹکنے نہیں دیا۔ نتیجتاً مدارس سے ایسی کھیپ نکلنی شروع ہوئی جو اگرچہ علوم دینیہ میں ماہر تھی لیکن اپنے اردگرد اور دنیا کے حالات سے ناواقف تھی۔ یہی نہیں بلکہ وہ رائج الوقت زبان سے بھی نابلد تھی۔ اس کے باوجود ہم نے اپنے مدارس کے نظام تعلیم پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا۔ آج بھی ہمارے مدارس کے فارغین دنیا کے لئے تیار نہیں ہیں، نہ ہی زمانے کی زبان اور عہد جدید کے رموز وقوانین سے واقف ہیں۔ دین کے نام پر بھی وہ صرف اپنے مسلک کی اندھی تقلید کرتے ہیں اور قرآن وحدیث کے بجائے ساری توجہ فقہ کی کتابوں پر مرکوز رکھتے ہیں۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ مسلم یونیورسٹی کا برج کورس اس معاملے میں بہت معاون ہے۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں برج کورس میں عالماؤں کے داخلے کی بھی تائید کرتے ہیں اور اس بات سے اختلاف کرتے ہیں کہ کو ایجوکیشن سے لڑکے بگڑ جائیں گے۔ بلکہ ان کے خیال میں اس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ دوسرے جنس کے احترام کا جذبہ پیدا ہوگا۔ یہ کہنا کہ اس سے ماحول خراب ہوگا بالکل غلط بات ہے۔ اگر طلبہ یہ سمجھیں کہ ہمیں اپنی تعلیم پر توجہ دینی چاہیے اور ادھر ادھر کی باتوں پر توجہ نہ دیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

صدر شعبہ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ پروفیسر شہپر رسول کو بھی اس بات کا احساس ہے کہ طلبائے مدارس جب مدارس کی چہار دیواری سے باہر آتے ہیں تو ان کا رابطہ ایک بالکل الگ دنیا سے ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات وہ یہ سمجھ نہیں پاتے کہ ان کو کیا کرنا چاہیے اور کہاں جانا چاہیے۔ وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں متعدد مدارس کی ڈگریوں کو تسلیم کیے جانے کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ان کو بی اے وغیرہ میں ہی داخلہ مل جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ کوئی ایسا کورس کرلیں جس کے طفیل میں انھیں دوسرے کورسز میں بھی داخلہ کی سہولت مل جائے تو یہ اچھی بات ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ برج کورس کی حمایت کرتے ہیں اسے مسلم یونیورسٹی کا ایک نہات اہم قدم تصور کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس کورس کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی لیے وہ چاہتے ہیں کہ اسے دوسری یونیورسٹیوں میں بھی شروع کیا جانا چاہیے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر مسلم یونیورسٹی کے برج کورس میں انگریزی زبان میں تعلیم ہورہی ہے تو یہ بہت مفید ہے۔ کیونکہ آج جو کچھ ہے سب انگریزی میں ہے۔ اور اگر مدارس کے طلبہ انگریزی میں دوسرے ایک سالہ یا دوسالہ کورسز کرکے دوسرے شعبوں میں

جاتے ہیں یا اپنی پسند کے کورسز میں داخلہ لے کر تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اس کی بنیاد پر آگے بڑھتے ہیں تو یہ قابل ستائش بات ہے۔ گریجویشن کے بعد آپ کچھ بھی پڑھیں گے تو لینگو جز کے علاوہ تمام سبجکٹ میں میڈیم انگریزی ہے۔ اگر آپ انگریزی نہیں جانتے ہیں تو وہ کورس کر ہی نہیں سکتے۔ میں اصولی طور پر برج کورس کا حامی ہوں۔

باہر نکلے اور راستے کھل گئے

اسی شعبے کے پروفیسر شہزاد انجم کہتے ہیں کہ مدارس کے جو طلبا وہاں سے نکلنے کے بعد دوسرے میدانوں میں جانا چاہیں یعنی اگر وہ مدارس و مساجد سے الگ ہٹ کر اپنا کوئی دوسرا ذریعہ معاش اختیار کرنا چاہتے ہیں تو ان کے لیے برج کورس کی زبردست اہمیت ہے۔ جب وہ برج کورس کر کے باہر نکلتے ہیں تو ان کے لیے راستے کھل جاتے ہیں۔ البتہ برج کورس میں طلبا کو وہ تمام جانکاریاں ملنی چاہئیں جو کہ بعد میں آگے کی تعلیم کے لیے لازمی ہوں۔ کوئی ضروری نہیں کہ فارغین مدارس تعلیم کے اختتام کے بعد مدارس ہی کے راستے کو اختیار کریں۔ لیکن انھوں نے اس سے اختلاف کیا کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے بچے چھوٹے پیشہ ور کورسز جیسے کہ الیکٹریشین، پلمبر اور درزی کا کورس کریں۔ یہ ان کے شایان شان نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ مدرسے سے فراغت کے بعد کوئی ایسا کورس کرتے ہیں جو انھیں باعزت ذریعہ معاش اختیار کرنے کا راستہ کھولتا ہے تو اس کا خیر مقدم کیا جانا چاہیے۔ کیونکہ چھوٹے پیشہ ورانہ کورسز تو ان لوگوں کے لیے ہیں جنھوں نے کوئی کورس نہیں کیا اور جن کے سامنے روزگار کے مواقع ہیں ہی نہیں۔ وہ ان پیشوں کو اختیار کریں اور اپنا کام کریں۔ شہزاد انجم نے ان کورسز کے اختیار کرنے کی وکالت کی جو طلبا کو ذریعہ معاش سے جوڑ دیں۔ مثال کے طور پر انٹرمیڈیٹ کے بعد کوئی پیشہ ورانہ کورس ہو۔ جیسے بی اے ان بینکنگ، بی اے ان آٹو موبائلس، بی اے ان انشورینس، بی اے ان ریلویز۔ اگر مدارس کے بچے یہ کورسز کر لیں تو ان کے لیے روزگار کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم، شعبہ اسلامک اسٹڈیم، جامعہ ہمدرد کہتے ہیں کہ اگر مدارس کے فارغین برج کورس جیسے راستے اختیار نہیں کرتے ہیں تو وہ مدارس ہی کے ہو کر رہ جائیں گے۔ لیکن اگر یہاں ان کو ایک سال کے اندر یا دو سال کے اندر وہ سب کچھ پڑھا دیا جاتا ہے کہ وہ دوسرے کورسز میں داخلہ لے سکیں تو یہ ان کے لیے بہت اچھی بات ہے۔ اس سے ان کے سامنے بہت سے راستے کھل جاتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ مدارس کے کئی طلبا مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کا برج کورس کرنے کے بعد ایل ایل بی بھی کر رہے ہیں۔ یہ بہت اچھی بات ہے۔ اگر طلبا برج کورس میں محنت کرتے ہیں تو اس سے ان کو بہت فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

ڈاکٹر جنید حارث، استاد شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے خیال میں اسکول اور مدارس میں صرف لفظ کا فرق ہے ورنہ دونوں کا مقصد ایک ہے۔ دونوں انسانوں کو تعلیم سے زیور سے آراستہ کرنے کے لیے ہیں۔ دونوں انسانوں کو بہتر انسان بننے میں مدد دیتے ہیں۔ اسی کے ساتھ وہ مدارس کے نصاب میں تبدیلی کی بھی بات کرتے ہیں تا کہ وہاں کے فارغین بھی زمانے کے قدم سے قدم ملا کر آگے بڑھ سکیں۔ ان کے خیال میں مدارس کا نصاب زمانے سے ہم آہنگ ہونے کے قابل نہیں رہ گیا۔ اس کو ماحول کے مطابق بنایا جانا چاہیے۔ مدارس میں عام طور پر اردو اور عربی میں تعلیم ہوتی ہے۔ انگریزی وغیرہ میں تعلیم نہیں ہوتی۔ بہت سے ایسے جدید علوم

ہیں جو انگریزی ہی کے توسط سے حاصل کیے جا سکتے ہیں، اردو اور عربی سے نہیں۔ برج کورس اس کا ایک موقع فراہم کرتا ہے۔ فارغین مدارس اگر اس میں داخلہ لیتے ہیں تو انھیں وہ جس سبجکٹ کو پڑھنا چاہیں اس کا موقع ملتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کو اتنی معلومات ہو جاتی ہے کہ وہ یونیورسٹیوں میں جا کر اس سبجکٹ میں داخلہ لے کر اپنی تعلیم آگے بڑھا سکیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک بہت اچھا قدم ہے اور تمام یونیورسٹیوں میں اسے شروع کیا جانا چاہیے۔

باب۵

برج کورس کی افادیت

اور اہم شخصیات کی آراء

برج کورس کی افادیت صرف ہندوستان کے لوگ ہی محسوس نہیں کر رہے ہیں بلکہ غیر ممالک کی شخصیات بھی کر رہی ہیں۔ یونیورسٹی کے مرکز برائے فروغ تعلیم وثقافت مسلمانان ہند کے زیر اہتمام منعقدہ عالمی کانفرنس میں شرکت کے موقع پر ملیشیا کے سابق وزیر تعلیم ڈاکٹر سید حامد البر نے اسے ایک عظیم کارنامہ قرار دیا اور اس بات پر زور دیا کہ یہ کام تو پوری مسلم دنیا میں ہونا چاہیے۔انھوں نے برج کورس کے طلبا کی انگریزی دانی کی ستائش کرتے ہوئے کہا کہ ان کی انگریزی تو مجھ سے بھی بہتر ہے۔ یہ اس بات کا اعتراف ہے کہ پروفیسر راشد شاز کی سربراہی میں فارغین مدارس کا زبردست ٹرانسفارمیشن ہو رہا ہے اور انھیں عربی اور اردو کے بعد اس زبان کی تعلیم میں مہارت پیدا کی جارہی ہے جس کے توسط سے بیشتر علوم حاصل کیے جاسکتے ہیں۔انھوں نے مختلف ادیان کے مابین مکالمے کی حمایت کی اور کہا کہ دنیا کی تمام حکومتوں کو اس قسم کے پروگرام چلانے چاہئیں۔

ڈاکٹر التویجری، مراکش

اسلامک ایجوکیشن سائنٹفک اینڈ کلچرل آرگنائزیشن کے ڈائرکٹر جنرل اور فیڈریشن آف دی یونیورسٹیز آف دی اسلامک ورلڈ رباط مراکش کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر عبدالعزیز عثمان ڈاکٹر التویجری نے برج کورس میں ہونے والے بین مسالک و بین مذاہب مباحثہ و مکالمے کی افادیت کا اعتراف کیا اور اس خدمت کی وجہ سے پروفیسر راشد شاز کو ایسسکو کا سفیر نامزد کیا۔ان کا خیال ہے کہ راشد شاز ایک روشن خیال، تجربہ کار اور عالم اسلام کے ایک مفکر ہیں۔انھوں نے بین مذاہب مکالمے کے تعلق سے ان کی خدمات کا بھی اعتراف کیا اور اس بات پر زور دیا کہ یہ سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔انھوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ عالم اسلام کی دوسری یونیورسٹیاں بھی دینی و دنیوی علوم کی الگ الگ درسگاہیں چلانے کے بجائے برج کورس کے تجربہ سے فائدہ اٹھائیں۔انھوں نے یہاں کے طلبہ کی صلاحیتوں کی ستائش کی اور کہا کہ انگریزی میں ان کی تقریریں سن کر میں مبہوت رہ گیا۔

ڈاکٹر سعود بن محمد الساتی

ہندوستان میں سعودی عرب کے سفیر ڈاکٹر سعود بن محمد الساتی نے سرسید کے تعلیمی افکار کی ستائش کی اور کہا کہ انھوں نے اپنی زندگی جدید تعلیم کی ترویج واشاعت کے لیے وقف کردی تھی۔ دنیا بھر کے دانشور اس بات سے متفق ہیں کہ وہ انیسویں صدی کے عظیم

سماجی مصلح تھے۔انھوں نے برج کورس کے طلبہ کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ انھیں سعودی عرب کی جانب سے وظائف دیے جائیں گے اور انھیں ہر ممکن تعاون پیش کی جائے گا۔

سلیم منصور خالد

پاکستان کے معروف مورخ سلیم منصور خالد کے خیال میں برج کورس جس نہج پر علما کی تربیت کر رہا ہے وہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔اس کورس کے منہج تدریس کو قریب سے دیکھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ اسی نہج پر علما کی تعلیم وتربیت ہونی چاہیے۔کیونکہ علما ہی عالم انسانیت کی قیادت کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔ان کے مطابق اگر برج کورس کے طلبہ مسلم امہ کے اتحاد کی اچھی تصویر پیش کر سکتے ہیں تو یہ اس کی بہت بڑی کامیابی ہوگی۔انھوں نے مکالمے کی اہمیت پر بھی زور دیا اور کہا کہ اس سے لوگوں کو قریب لانے میں مدد ملے گی۔غلط فہمیاں دور ہوں اور اختلافات ختم ہوں گے۔انھوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ رواداری اور اخوت کا مظاہرہ غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ بھی ہونا چاہیے اور یہ کام مکالمے کی مدد سے ہی ہوسکتا ہے۔اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ یہاں مکالمے کی جس طرح حوصلہ افزائی کی جاتی ہے وہ اپنے آپ میں بہت اچھی اور قابل ستائش بات ہے۔

ستیش جیکب

بی بی سی لندن کے سابق نامہ نگار ستیش جیکب نے برج کورس کو عالم انسانیت کا ایک انوکھا اور محیر العقول تجربہ قرار دیا۔انھوں نے کہا کہ اس کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ تاریخ خود کو دوہرا رہی ہے۔علما کی زبانی بہترین انگریزی میں تقریریں سن کر یہ احساس ہو رہا ہے کہ مستقبل قریب میں عالم انسانیت کو ایک بہترین قیادت فراہم کرنے کا آغاز ہو چکا ہے۔دنیا سے جہل کی تاریکی دور کرنے میں اس سے بڑی مدد ملے گی۔ستیش جیکب نے اس الزام کی سختی سے تردید کی کہ مسلمان انتہا پسند اور عدم رواداری ہیں یا اسلام ان باتوں کی تعلیم دیتا ہے۔انھوں نے اسے ایک خطرناک پروپیگنڈہ قرار دیا۔انھوں نے اس وقت کے وائس چانسلر ضمیر الدین شاہ اور پروفیسر راشد شاز کی ستائش کی کہ انھوں نے اس کورس کا آغاز کرکے ایک عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔انھوں نے برج کورس کے طلبہ کو امن کا پیامبر قرار دیا۔

پروفیسر ایلن

بین مذاہب مکالمے کو فروغ دینے کے لیے مسلم یونیورسٹی اور امریکہ کی مرسر یونیورسٹی کی دینیات فیکلٹی کے مابین ایک معاہدہ ہوا ہے جس کے تحت میکلف اسکول آف تھیالوجی کے پروفیسر ایلن کو دو ہفتے کے لیے مسلم یونیورسٹی میں وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دینے کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔اس موقع پر انھوں نے اپنے مختلف خطابات میں طلبہ کو عیسائیت کی تاریخ سے روشناس کرایا اور اس بنا پر زور دیا کہ تمام مذاہب کے بارے میں ان کے ماہرین سے معلومات حاصل کرنی چاہئیں۔جبھی صحیح صورت حال سامنے آسکتی ہے۔انھوں نے تمام مذاہب کے مابین مکالمے پر زور دیا اور اس سلسلے میں برج کورس کے تصور کی تائید کی۔ان کے مطابق اس کی مدد سے دنیا میں بقائے باہم کے تصور کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔

جسٹس محمد غزالی

پاکستانی سپریم کورٹ کے جج جسٹس ڈاکٹر محمد الغزالی بھی برج کورس کے طلبہ کی اہلیت کے معترف ہیں۔انھوں نے مسلمانوں کی اخلاقی تنزلی کو ان کی فکری تنزلی کا سبب قرار دیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہاں کے طلبا اس تنزلی کو دور کرنے میں کردار ادا کریں۔

لطافت حسین

مریکہ میں مقیم مسلم یونیورسٹی کے سابق طالب علم لطافت حسین نے برج کورس کے کئی بیچ کے طلبہ سے الگ الگ ملاقاتیں کیں اور اس بات پر اظہار حیرت کیا کہ وہ طلبا کتنی کم مدت میں بہترین انگریزی سیکھ لیتے ہیں اور اس میں خطابت کا ملکہ پیدا کر لیتے ہیں۔ یہ ایک حیرت انگیز عمل ہے۔انھوں نے اس کے بین مسالک افہام وتفہیم کو اس کی امتیازی خصوصیت قرار دیا اور کہا کہ اس بارے میں جس انداز میں تربیت دی جارہی ہے وہ شاندار ہے۔انھوں نے کہا کہ یہاں ٹوپی اور حجاب کے نیچے کی عقل کے دروازوں کو کھولنے کا سلیقہ سکھایا جاتا ہے۔انھوں نے برج کورس کے طلبہ کی یہ کہہ کر ستائش کی کہ انھوں نے اگرچہ علم دین کے حصول کی منزل پالی تھی لیکن انھوں نے اسی پر اکتفا کرنے کے بجائے ایک ایسے راستے کا انتخاب کیا جو عظیم بلندیوں تک لے جاتا ہے۔

عشرت عزیز

سابق سفیر عشرت عزیز جیسے سفارتکار بھی برج کورس کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روحانیت اور مادیت کے بارے میں غلط فہمیاں ہیں یا ان کے بارے میں عدم توازن ہے۔انھوں نے افراط وتفریط سے پاک ایک متوازن فکر کی ضرورت پر زور دیا۔انھوں نے بھی بین مسالک و بین مذاہب مکالمے کی تائید کی۔

سید احمد مسعود

برج کورس کا دورہ اور اس کے طلبہ سے ملاقات کرنے والوں میں مسلم یونیورسٹی کے بانی سرسید احمد خاں کی پانچویں نسل کے فرزند سید احمد مسعود بھی شامل ہیں۔انھوں نے اسے ایک انوکھا تجربہ قرار دیا اور فارغین مدارس کی زبانی فراٹے سے انگریزی میں تقریر پر خوشگوار حیرت کا اظہار کیا۔ وہ پاکستان سے آئے تھے۔ان کے مطابق اسلام آباد میں سات سو مدارس ہیں لیکن ان میں روایتی قسم کی صرف عربی تعلیم دی جاتی ہے۔انھوں نے زور دیتے ہوئے کہا کہ برج کورس کے تجربے کو ہر جگہ آزمانے کی ضرورت ہے اور قرآن مجید کے علاوہ انگریزی، سوشل سائنس اور ریاضی کی تعلیم کی بھی ضرورت ہے۔ فارغین مدارس کو ان کی بنیادی معلومات ضرور ہونی چاہئیں۔اگر انھوں نے عصری علوم حاصل نہ کیے تو وہ زمانے کا ساتھ نہیں دے پائیں گے۔

محمد ذکی کرمانی

CEPECAMI کے سینئر سائنس فیلو ڈاکٹر محمد ذکی کرمانی برج کورس میں انتہائی دلچسپ میلانات وامکانات دیکھتے ہیں۔ وہ معروف بین الاقوامی جریدے Social Episteomology میں اپنے ایک تحقیقی مقالے میں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اس تجربے کو بڑے پیمانے پر آزمانے کی ضرورت ہے تاکہ اس سے وسیع تر حلقے استفادہ کرسکیں۔ان کے خیال میں تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ

طلبائے مدارس جن کا بعض اسلامی اصطلاحوں کا شیدائی ہونا خالص فطری اور منطقی ہے وہ سائنسی تحقیق کے ذریعے قرآنی معلومات کے پرکھنے میں ذوق وشوق اور روحانی دلچسپی محسوس کرتے ہیں۔ وہ برج کورس کو ایک انقلابی قدم تصور کرتے ہیں۔

پروفیسر جی این قاضی

نیشنل اسسمنٹ انٹگریشن کونسل (نیک) کی سولہ رکنی ٹیم کے صدر پروفیسر جی این قاضی برج کورس کا دائرہ وسیع کرنے پر زور دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ دوسری یونیورسٹیوں کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ وہ بھی اپنے یہاں اس قسم کا کورس شروع کریں اور فارغین مدارس اپنے علاقے کی یونیورسٹیوں میں داخلہ لے کر دوسرے کورسز کریں۔ انھوں نے یہ باتیں طلبائے برج کورس سے خطاب کے دوران کہیں۔

مولانا اعجاز اسلم

جماعت اسلامی ہند کے انگریزی اخبار ''ریڈینس'' کے ایڈیٹر مولانا اعجاز اسلم کہتے ہیں کہ قرآن کی تعلیمات سے ہم دور ہونے لگے ہیں۔ ہمارا ذہن محدود ہونے لگا ہے۔ جب سے ہمارے اندر یہ کیفیت پیدا ہوئی ہم فرقوں میں بٹ گئے اور یہ امت ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئی۔ جب ہم اپنے گروہوں کو، اپنی جماعت کو، اپنے عالم کو، اپنے فقیہ کو، اپنے محدث کو تقدس کا مقام دینے لگیں گے تو یہی صورت حال ہوگی۔ ہم نے اپنے آپ کو شیعہ سنی میں تقسیم کر رکھا ہے۔ آج ہمیں اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اپنی جڑوں کی طرف لوٹیں۔ ہمارا یہ رویہ ہونا چاہیے کہ اختلاف وانتشار کو انگیز کریں اور اس کا علاج کریں اور اتحاد کی بات کریں۔ ان کا مزید کہنا ہے کہ برج کورس اس گیپ کو ختم کرنے کے لیے شروع کیا گیا ہے۔ عقل کے گیپ کو، تعبیرات کے گیپ کو پُر کیا جائے۔ لوگوں کو قریب لایا جائے۔ لوگ ایک دوسرے کی کوششوں سے آشنا ہوں۔ لوگ ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھیں اور اختلافات کو ایک حد کے اندر رکھیں۔ یہ یونیورسٹی اسی مقصد کے لیے ہے اور برج کورس سرسید کے خوابوں کی تعبیر ہے۔

پروفیسر انور خورشید

پروفیسر انور خورشید کے خیال میں مدارس ملک میں تعلیم کا سب سے بڑا وسیلہ ہیں لیکن انہیں تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ انہوں نے مدارس میں جدید تعلیم دئے جانے پر زور دیتے ہوئے کہا کہ یہ صرف مسلمانوں کو ہی نہیں بلکہ ملک کی ترقی کے لئے بھی ضروری ہے۔ اسی لیے وہ برج کورس کی حمایت کرتے ہیں۔

ڈاکٹر سلیم خان

معروف دانشور، مصنف اور قلمکار ڈاکٹر سلیم خان کہتے ہیں کہ برج کورس کوئی نیا اور انوکھا خیال نہیں ہے۔ ہماری یونیورسٹیوں کے طلبا بھی جب ماسکو یا برلن جیسے مقامات میں تعلیم کی غرض سے جاتے ہیں تو انہیں وہاں اس قسم کا کورس کرنا پڑتا ہے۔ جس کی اولین وجہ مقامی زبان کو سیکھنا ہوتی ہے۔ تاکہ اس میں تعلیمی سلسلے کو آگے بڑھایا جا سکے نیز وہاں کی تہذیب وثقافت سے بھی واقفیت ہو جائے۔ دینی مدارس ہمارے معاشرے کی ایک بہت بڑی حقیقت ہیں اور ان کی ضرورت واہمیت کا انکار خام خیالی ہے۔ جس طرح ہماری

مختلف یونیورسٹیوں کے طلبا دیگر تعلیم گاہوں کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں اسی طرح دینی مدارس کے فضلا کی معلومات بھی یونیورسٹیوں اور کالجوں کے بارے میں بہت کم ہوتی ہے۔ان کے درمیان گونا گوں وجوہات کی بنا پر غلط فہمیاں بھی پائی جاتی ہیں جو مسلکی اختلافات کو ملی انتشار میں تبدیل کر دیتی ہیں۔سماج میں یونیورسٹیوں کے بیشتر طلبا کا کردار اپنی ذات تک محدود ہوتا ہے۔اس کے برعکس عام مسلمان اپنے معاشرتی مسائل کے لیے علما سے رجوع کرتا ہے۔اس لیے دینی مدارس کے طلبا کی سماجی اہمیت زیادہ ہے۔ایسے میں مختلف مدارس کے طلبا کا ایک سال تک ایک دوسرے کے ساتھ ملنا جلنا ان کے درمیان سے فاصلوں کو مٹا دیتا ہے اور غلط فہمیوں کو دور کرنے میں معاون ہوسکتا ہے۔اس سے برادرانہ تعلقات اور رواداری کو فروغ ملتا ہے اور ایک باہمی اعتماد کا ماحول بن جاتا ہے۔یہ امت کی بہت بڑی ضرورت ہے جو نہایت فطری انداز میں پوری ہورہی ہے۔برج کورس کے طلبا کا یہ نیا تعلق و تشخص مسلکی حدود و قیود سے بالاتر ہوتا ہے۔اس کورس کے وقفہ میں طلبا کو اپنی دلچسپی اور صلاحیت کے لحاظ سے مناسب مضمون کے انتخاب کا بھی نادر موقع ہاتھ آتا ہے اور وہ ایسے مضامین کی تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ کرسکتے ہیں جو ان کی اپنی ذات اور امت کے لیے مفید و ضروری ہوں۔

وہ اپنے تجربات بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سال کی ابتدا میں مرکز برائے فروغِ تعلیم و ثقافت مسلمانانِ ہند کے زیر اہتمام سالانہ عالمی کانفرنس میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔اس کانفرنس کا ایک اہم اجلاس دینی مدارس میں سائنسی تعلیم کے فروغ کے موضوع پر تھا۔اس اجلاس میں تین طرح کے لوگوں سے استفادہ کا موقع ملا۔ایک تو وہ حضرات تھے جنھوں نے دینی مدارس سے تعلیم حاصل کی مگر یونیورسٹی کے نظام تعلیم سے ناواقف تھے۔دوسرے یونیورسٹی کے وہ دانشور تھے جن کی دینی مدارس سے متعلق معلومات محدود و ناقص تھی۔تیسرے وہ لوگ تھے جنھوں نے مدارس سے فراغت کے بعد برج کورس کیا اور اب یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ان تینوں کے موقف میں واضح فرق نظر آیا۔پہلا گروہ بیجا تحفظات کا شکار تھا۔دوسرا خیالی باتیں کررہا تھا جو حقیقت سے کوسوں دور تھیں۔ان دونوں کے برخلاف برج کورس کے طلبا نہایت اعتماد کے ساتھ عملی تجاویز پیش کررہے تھے۔جن میں ارتقا اور امید کا پہلو نمایاں تھا۔اس کی بنیادی وجہ شاید یہ تھی کہ ان لوگوں نے دونوں جہانوں کی سیر کررکھی تھی اور ہر دو مقامات کی کمیوں اور خوبیوں سے واقف ہوگئے تھے۔امید ہے کہ وقت کے ساتھ یہ ننھا پودہ بارآور ہوگا اور امت کو بہترین پھولوں اور پھلوں سے نوازے گا۔اس کوشش کو دیکھ کر سرسید کی روح مسرور و شادماں ہورہی ہوگی۔

پروفیسر جیفری ناش

برطانیہ کی یونیورسٹی آف سنڈرلینڈ میں انگریزی زبان و ادب کے پروفیسر جیفری ناش جب اپنی اہلیہ کے ساتھ برج کورس کے دورے پر آئے تو وہ اس قدر مبہوت ہوئے کہ فرمایا میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں انگریزی ادب و ثقافت پر لکچر دینے کے لئے آیا تھا لیکن مجھے یہاں آکر برج کورس جیسے تعلیمی انقلاب کا پتہ لگا اور اب میں یہاں سے یہ پر مسرت تجربات لے کر انگلینڈ جارہا ہوں۔مجھے افسوس رہے گا کہ برج کورس میں میرا قیام بڑا مختصر رہا۔

مظفرحسین سید

سینئر انگریزی اردو صحافی اور اکیڈمک ریسرچ بیورو نئی دہلی کے ڈائرکٹر مظفرحسین سید کے خیال میں مسلم یونیورسٹی نے برج کورس کا آغاز کر کے ایک نہایت انقلابی قدم اٹھایا ہے۔ اس کے تحت مدارس کے فارغین کو مختلف کورسز میں داخلے کے لیے مواقع ملیں گے اور ان کو یہ ثابت کرنے کا ایک سنہرا موقع ملے گا کہ وہ بھی دوسروں سے کم نہیں ہے۔ ان کے خیال میں اگر طلبائے مدارس ایسے کورسز کر کے دوسرے شعبوں میں جاتے ہیں تو چونکہ ان کی محنت کتنے کی عادت ہوتی ہے اس لیے وہ بہت جلد کامیابی حاصل کر لیں گے۔ میں نے سنا ہے کہ سید والا گہر کی دانش گاہ میں شروع کیے جانے والے اس کورس کی بدولت کچھ طلبا نے ایل ایل بی میں بھی داخلہ حاصل کیا ہے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اس کے ذریعے ایسے کورسز بھی کرائے جانے کی ضرورت ہے جس کی مدد سے طلبا سائنسی میدان میں بھی جا سکیں اور اگر ماس کمیونی کیشن وغیرہ کے لیے بھی ان کی تیاری کرائی جائے تو اس کے بڑے اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔ یہ میڈیا کا زمانہ ہے۔ نیشنل میڈیا میں اور خاص طور پس الیکٹرانک میں ڈیا میں مسلمانوں کی تعداد کم ہے۔ جو لوگ ہیں وہ اگر ملی ذہن اور جذبہ رکھتے ہیں تو وہ اپنی سطح پر کام کرتے ہس ی۔ لیکن اگر مدارس کے فارغین اس میدان میں جائیں تو اسلامی فکر رکھنے کی وجہ سے وہ ملت کے بڑے کام آئیں گے۔ میڈیا کے ذریعے جس طرح اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کو ہوا دی جاتی ہے یا جس طرح اسلام اور مسلمانوں کے معاملات میں میڈیا غیر جانبدار نہیں رہتا، ان حالات میں اگر مدرسہ بیک گراونڈ کا کوئی شخص الیکٹرانک میڈیا مس ی کسی اچھی پوزیشن پر پہنچے تو وہ مسلم مخالف شدت بڑی حد تک کم کر سکتا ہے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک بہت عمدہ قدم ہے۔ اس کی جتنی بھی ستائش کی جائے کم ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس کا دائرہ وسیع کیا جائے۔ وسیع ان معنوں میں مسلم یونیورسٹی کے برج کورس میں کورسوں کی تعداد بڑھائی جائے اور دوسرے یہ کہ دوسری یونیورسٹیوں میں بھی یہ سلسلہ شروع کیا جائے۔ اگر ایک سے زائد یونیورسٹیوں میں ایسا انتظام ہو جائے تو چند برسوں کے اندر اس کے بڑے انقلابی نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

باب۶

برج کورس اور علماء

بہت سے علمائے کرام بھی برج کورس کی افادیت کا اعتراف کرتے ہیں۔شمالی ہند کے معروف فلاحی ادارے فاونڈیشن فار سوشل کیئر کے چیئر مین اور معروف عالم دین مولانا ظہیر احمد صدیقی ندوی کے خیال میں برج کورس میں جس انداز میں انسانیت سازی کی جارہی ہے دراصل وہی تزکیہ نفس ہے۔ان کے خیال میں آج امت کو جو زبردست چیلنج لاحق ہے اس کے مقابلے کے لیے ہمارے اندر عصر حاضر کے تقاضوں کی فہم ہونی چاہیے۔زمانے کے ساتھ قدم بہ قدم چلنا وقت کی ضرورت ہے۔آج مسلم معاشرے کو تقسیم کر دینے کی جو مغربی سازشیں ہیں ان کے پیش نظر اور گلوبلائزیشن کے دور میں تہذیبی وفکری قیادت کس کے ہاتھ میں ہوگی اس کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ وہ عصر حاضر کی حقیقت،اس کے چیلنجوں اور مطالبات کا کس قدر اندازہ کرتا ہے اور اس کے لیے کتنا تیار ہے۔

تہذیبوں وثقافتوں کے مابین ایک برج

دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے مہتمم مولانا سعید الرحمٰن ندوی بھی اس کورس کی افادیت کے معترف ہیں۔وہ اس کے طلبا کے ذریعے عصری علوم کے حصول پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور طلبا کو نیک خواہشات پیش کرتے ہیں۔جبکہ ندوہ ہی کے استاد مولانا سید سلمان حسینی ندوی کا کہنا ہے کہ برج کورس طلبہ کو صرف فیکلٹی منتقل کرنے کے لیے نہ ہو یعنی وہ ایک فیکلٹی سے نکل کر دوسری فیکلٹی میں چلے جائیں بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کے ذریعے مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کے مابین ایک برج بن جائے۔وہ اس بات کی بھی وکالت کرتے ہیں کہ یہ طلبا چرچوں اور مندروں میں بھی جائیں اور وہاں کے لوگوں سے تبادلہ خیال کریں،ان کے مذاہب کو سمجھیں۔اس دلیل کے ساتھ انھوں بین مسلکی و بین مذہبی مکالمے کی تائید کی اور اسے ایک مفید اور ضرورت وقت کے تحت اٹھایا گیا قدم قرار دیا۔

ہندوستان میں جو مذہبی جماعتیں ہیں ان کے ذمہ داروں کے نزدیک بھی برج کورس ایک انقلابی قدم ہے۔اس بارے میں ہم نے مختلف تنظیموں اور جماعتوں کے ذمہ داروں سے بات کی تو انھوں نے بھی اس کی پُر زور تائید کی۔کئی دینی جماعتوں کے ذمہ داروں نے برج کورس کا دورہ بھی کیا ہے اور اس کے پروگراموں میں شرکت بھی کی ہے۔انھوں نے اس کا دلچسپی سے مشاہدہ کیا اور طلبا کے خیالات کو بھی سنا۔ان کا خیال ہے کہ فارغین مدراس کے اندر انگریزی وغیرہ کی استعداد پیدا کرنا وقت کی ضرورت ہے۔ہم کہیں بھی جائیں تو ہمارا واسطہ جس زبان سے پڑتا ہے وہ یہی انگریزی زبان ہے۔بعض اوقات ان علما کو جو انگریزی نہیں جاتے بڑی دشواریوں کا

سامنا کرنا پڑتا ہے۔خاص طورر سے کسی غیر ملکی دورے میں۔ اگر وہ تنہا ہیں تو انھیں ایسے دوسرے افراد کا محتاج ہونا پڑتا ہے جو انگریزی کی معلومات رکھتے ہوں۔اس لیے اگر علما بھی انگریزی سیکھتے ہیں تو وہ اپنی ایک بہت بڑی کمزوری پر قابو پالیں گے۔ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اگر علمائے کرام دوسرے کورس کر کے مدارس و مساجد سے الگ ہٹ کر کوئی باعزت پیشہ اختیار کرنا چاہتے ہیں یا دوسرے شعبوں میں جا کر دین کی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو یہ بڑی اچھی بات ہوگی۔اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ علما ہمارے لیے ایک اثاثہ ثابت ہوں گے۔

ان باتوں کی تائید مرکزی جمعیت اہلحدیث کے امیر مولانا اصغرامام مہدی سلفی بھی کرتے ہیں۔وہ برج کورس کی افادیت کو تسلیم کرتے ہیں اور تمام مذاہب کے مابین ہم آہنگی پر زور دیتے ہیں۔انھوں نے سرسید کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ انھوں نے ہمیشہ لوگوں کے اتصال کی بات کی۔لہٰذا برج کورس کے ذریعے جو کوشش کی جارہی ہے وہ قابل ستائش ہے۔معروف شیعہ عالم مولانا کلب صادق بھی تمام مذاہب کے مابین مکالمے پر زور دیا۔

چہار دیوارای سے باہر نکلنا ضروری

کچھ فارغین مدارس ایسے بھی ہیں جو اگر چہ دوسری جگہوں پر خدمات انجام دے رہے ہیں لیکن انھوں نے اپنے عالمانہ شعار کو ترک نہیں کیا ہے۔عصری دانش گاہوں اور یونیورسٹیوں میں برسرکار ہونے کے باوجود وہ فارغین مدارس کے تعلق سے ہمدردانہ جذبہ رکھتے ہیں۔وہ مدارس کے بارے میں بھی عقلیت پسندی کی بات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ذمہ داران مدارس کو اپنی چہار دیواریوں سے باہر نکل کر دنیا دیکھنی چاہیے۔کیونکہ زمانہ بہت آگے جا چکا ہے۔اب صرف دینی علوم سے بات بننے والی نہیں ہے بلکہ عصری علوم کو بھی ہمیں ساتھ لے کر چلنا ہوگا۔اگر ہم علوم شرعی کے ساتھ ساتھ علوم عصری بھی حاصل کرلیں تو دوہرا فائدہ ہوسکتا ہے۔مدرسہ بیک گراونڈ رکھنے والی ایسی شخصیات مدارس کے ماحول میں اصلاح یا دوسری زبان میں تبدیلی کی بھی بات کرتے ہیں۔یہ اصلاح مختلف سطحوں پر کی جاسکتی ہے۔

مدارس میں اصلاح کی ضرورت

دارالعلوم دیوبند کے فارغ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے استاد ڈاکٹر وارث مظہری ایک عرصے سے مدارس میں اصلاح پر زور دیتے آرہے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ اس حوالے سے مسلم یونیورسٹی کے برج کورس نے امید کی ایک کرن پیدا کی ہے۔فارغین مدارس کو چاہیے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔یہ کورس طلبا کو مین اسٹریم ایجوکیشن میں جانے کا ایک راستہ فراہم کرتا اور مختلف کورسز کر کے اپنے خوابوں کی تکمیل کا ذریعہ بنتا ہے۔مجھے امید ہے کہ چونکہ مدارس کے طلبہ سخت محنت کے عادی ہوتے ہیں اس لیے وہ یہاں سے نکلنے کے بعد دوسرے مقابلہ جاتی امتحانوں میں کامیاب ہوں گے۔ایک طرف وہ جہاں مختلف شعبوں میں اسلام کی نمائندگی کریں گے وہیں دنیاوی فائدہ بھی اٹھائیں گے۔وہ اس سے انکار کرتے ہیں کہ برج کورس کے طلبا اپنی دینی شناخت کھودیں گے۔ان کی دلیل ہے کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی برطانوی انتظام والے دہلی کالج کے تعلیم یافتہ تھے۔کیا انھوں نے اپنی

دینی شناخت ختم کردی تھی۔ اگرچہ بعض حلقوں سے شکوک وشبہات کا اظہار کیا جارہا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اس سنہری موقع کو گنوادیں اور اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھائیں۔

لیکن وہ علما جو اگرچہ درس وتدریس سے وابستہ نہیں ہیں لیکن وہ مدرسے ہی کے کسی دوسرے شعبے میں خدمات انجام دے رہے ہیں ڈاکٹر وارث مظہری کی مانند وسیع النظری کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ وہ انگریزی اور دوسری زبانوں یا دوسرے کورسز کی افادیت کے قائل تو ہیں لیکن مدارس کے نصاب میں ہمہ جہت تبدیلی کے حق میں نہیں ہیں۔ وہ مدارس میں دوسرے موضوعات پڑھانے کے تعلق سے بھی جھجک کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس سے طلبا پر بہت زیادہ بوجھ پڑ جائے گا۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ درس نظامی میں حالیہ برسوں میں کافی تبدیلی آئی ہے۔ تاہم وہ برج کورس کی اہمیت کے کسی طور قائل بھی ہیں۔

ہم بوجھ نہیں ڈال سکتے

دارالعلوم دیوبند میں میڈیا شعبے کے سربراہ خلیل قاسمی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ ہم درس نظامی کے ساتھ ساتھ عصری یا جدید علوم بھی پڑھائیں۔ کیونکہ مدارس کے قیام کا بنیادی مقصد اسلامی ماہرین پیدا کرنا ہے۔ ہم کچھ سبجکٹ تو متعارف کر سکتے ہیں لیکن مدارس کے نصاب کو مکمل طور پر بدل نہیں سکتے۔ درس نظامی میں بہت سی تبدیلی بھی آئی ہے۔ بہت سے مدارس میں گرامر، ادب، تاریخ اور جغرافیہ وغیرہ بھی پڑھایا جانے لگا ہے۔ دوسرے کورسز شروع کرنے میں وقت لگے گا لیکن ہمیں یہ بھی چاہیے کہ یہ کام اس انداز میں ہو کہ مدارس اور ان کے فارغین کی اصل شناخت متاثر نہ ہو۔ انھوں نے برج کورس کی اصولی طور پر تائید کی لیکن وہ اسے راشد شاز کی سربراہی میں چلائے جانے پر ان کے مخصوص مذہبی نظریات کی بنیاد پر اپنے تحفظات کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ راشد شاز اس کے توسط سے اپنے خیالات ورجحانات تھوپنا چاہتے ہیں۔ کورس تو چلنا چاہیے لیکن اس کا سربراہ بدل دینا چاہیے۔

اسی ادارے کے مولانا محمد خالق مدراسی بھی برج کورس کی حمایت کرتے ہیں۔ لیکن راشد شاز کے بارے میں ان کے بھی وہی خیالات ہیں۔ ان کے مطابق انگریزی کی تعلیم ٹھیک ہے مگر اسے درس نظامی میں داخل نہیں کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے طلبا پر اضافی بوجھ پڑ جائے گا۔

سیکولر اور مذہبی علم کی تقسیم غیر ضروری

دارالعلوم وقف کے مولانا شمشاد کہتے ہیں کہ علم میں کوئی تفریق نہیں ہونی چاہیے۔ علم کو سیکولر اور مذہبی میں تقسیم کرنا غیر فطری ہے۔ اصل مسئلہ طالب علم کی نیت کا ہے۔ اگر وہ اللہ کی عبادت کے لیے علم حاصل کرتا ہے تو وہ اسلامی علم ہے لیکن اگر وہ اس کا استعمال دنیا حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے تو وہ دنیاوی ہو جاتا ہے۔ وہ انگریزی زبان کے نہیں بلکہ انگریزی تہذیب کے خلاف ہیں۔ ان کے خیال میں اگر انگریزی کو لازم قرار دے دیا جائے تو طلبا مذہبی سائنس کے ماہر نہیں بن پائیں گے۔ ہاں وہ مدارس کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آزاد ہیں جو چاہیں پڑھیں۔ لہٰذا اس لحاظ سے برج کورس مدارس کے طلبا کی زبردست خدمت کر رہا ہے۔ ہمیں اپنے طلبا کو جدید سماجی علوم کے حصول کے لیے حوصلہ افزائی کرنی چاہیے لیکن اس کے ذریعے کسی خاص نظریے کو تھوپنا غلط ہے۔

ڈاکٹر مولانا شکیب قاسمی، ڈائرکٹر حجت الاسلام قاسم شاہ نانوتوی ریسرچ اکیڈمی سینٹر وقف دارالعلوم کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے اداروں میں بہت پہلے جدید نصاب داخل کر دیا ہے۔ طلبا مدارس سے فارغ ہونے کے بعد تقابل ادیان، صحافت وغیرہ کی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ برج کورس کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ یہ کورس ہمارے اداروں میں تخصص کے کورسوں کی مانند ہے۔ البتہ ہماری ڈگریوں کو حکومت تسلیم نہیں کرتی۔

نگینہ بجنور کے معروف سماجی کارکن ڈاکٹر محمد داؤد اس خواہش کا اظہار کرتے ہیں کہ مدارس کے طلبہ یونیورسٹیوں میں جائیں اور انجینئر، ڈاکٹر اور سائنس داں وغیرہ بن کر ملک میں پھیل جائیں اور انسانیت کی خدمت کریں۔ برج کورس ایک قسم کا پلیٹ فارم ہے جہاں سے انسانیت کی خدمت کرنے والے افراد پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ وہ اتحاد بین المسالک کی بھی تائید کرتے ہیں اور دوسرے مذاہب کو سمجھنے پر بھی زور دیتے ہیں۔

باب ۷

یونیورسٹی اساتذہ کے احساسات

برج کورس کے بارے میں ان اساتذہ کے کیا تاثرات و خیالات ہیں جو فارغین مدارس کو مختلف کورسز کی تعلیم دے ہیں، جاننا بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ جہاں طلبا ایک نئے تجربے سے دو چار ہو رہے ہیں وہیں اساتذہ بھی ہو رہے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ پہلے ان کی کلاسوں میں مدارس کے فارغین نہیں ہوتے تھے۔ ضرور ہوتے تھے لیکن ان کی تعداد دو ایک ہوتی تھی۔ ان میں عصری تعلیمی اداروں سے تعلیم حاصل کر کے وہاں تک پہنچنے والے طلبا کی اکثریت ہوتی تھی۔ لیکن پہلی بار انھیں ایسی کلاسیں لینے کا موقع ملا جن میں تمام کے تمام فارغین مدارس ہیں۔ اس تعلق سے ان اساتذہ کے خیالات جاننے کے علاوہ ان کے بھی خیالات کو جاننے کی کوشش کی جائے گی جو مسلم یونیورسٹی سے کسی نہ کسی حیثیت سے وابستہ ہیں یا سابق میں رہے ہیں۔

ڈیپارٹمنٹ آف سنی تھیالوجی کے سابق چیئرمین ڈاکٹر مفتی زاہد علی خاں برج کورس کی ستائش کرتے ہیں البتہ اسے طلبا کے لیے مزید نفع بخش بنانے کے لیے اس میں اور بھی بہت کچھ شامل کرنے کی بات کرتے ہیں۔ لیکن ان کو پروفیسر راشد شاز کی سربراہی میں اس کورس کو چلانے پر کچھ تحفظات ہیں۔ تاہم وہ اس کورس کے لیے سابق وائس چانسلر لیفٹیننٹ جنرل ضمیر الدین شاہ کی تعریف کرتے ہیں۔

سابق ڈین فیکلٹی آف دینیات پروفیسر سعود عالم قاسمی کے خیال میں برج کورس کا تصور دو کناروں کو ملانا ہے۔ مدارس اور یونیورسٹی کے درمیان جو خلیج ہے اسے پاٹنا ہے۔ بنیادی طور پر یہ خیال اچھا ہے مگر یہ جب ہی ہو سکے گا جب طلبا کو سائنس اور انجینئرنگ میں بھی داخلہ دیا جائے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس کورس سے نئے افق روشن ہوں گے اور طلبائے مدارس وہاں سے فراغت کے بعد نئے نئے کورس کر کے آگے بڑھ سکیں گے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہندوستان مذہبی اور لسانی اعتبار سے بہت متنوع اور رنگا رنگ ہے۔ لہٰذا شہریوں کو دیگر مذاہب کے بارے میں بھی جاننا چاہیے۔ لیکن ہمارے علما ہندوازم، بدھ ازم اور سکھ ازم وغیرہ کے بارے مس ی کچھ نہیں جانتے۔ مدارس کو چاہیے کہ وہ اپنے یہاں ان مذاہب کی بھی تعلیم دیں لیکن وہ ایسا کرنے میں ناکام ہیں۔ ہم ہندوؤں اور دوسروں کے ساتھ سیاسی امور پر تو تبادلہ خیال کرتے ہیں مذہبی امور میں بہت کم کرتے ہیں۔ لیکن اب برج کورس سے امید کی کرن جاگی ہے اور توقع ہے کہ یہاں کے طلبا دوسرے مذاہب کے بارے میں بھی علم حاصل کریں گے۔

پروفیسر علی محمد نقوی ڈین اور صدر شعبہ تھیالوجی کہتے ہیں کہ برج کورس سے مدرسہ اور یونیورسٹی دونوں کو فائدہ ہوگا۔ مدرسہ میں

جمود ہے لیکن اہل مدرسہ قدیم علوم اچھی گرفت رکھتے ہیں۔ برج کورس میں ان کا فکری افق وسیع ہوگا۔ یہ کورس کر کے جب بعض علما مدارس میں واپس جائیں گے وہاں پائے جانے والا جمود ٹوٹے گا۔ یونیورسٹی کو یہ فائدہ ہوگا کہ بہت سے موضوعات کے لیے وہ طلبہ ہاتھ آجائیں گے جن کی مصادر اصلیہ پر گہری نگاہ ہوگی۔ وہ اردو فارسی اسلامیات اور نئے موضوعات جیسے پرسنل لا، اسلامک بینکنگ اور قانون پر اچھی تحقیق کرسکیں گے۔ جہاں تک اس کی مخالفت کی بات ہے تو ہر نئی چیز کی مخالفت کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر راشد شاز برج کورس کے لیے جو کام کر رہے ہیں وہ بہت زبردست ہے۔ اس کے بہت مثبت نتائج نکلیں گے۔ اسلام کے بارے مس ی ان کی دلسوزی مس ی کوئی شک وشبہ نظر نہیں آتا۔ البتہ معترضین ان کے ذاتی نظریات کے بارے میں جو بات کر رہے ہیں ممکن ہے وہ اپنی جگہ پر درست ہوں۔ لیکن میں ان کے نظریات سے واقف نہیں ہوں اس لیے میں ان پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ میں یہ ضرور کہوں گا کہ برج کورس کے ذریعے سرسید کے طریقہ کار پر عمل کیا جارہا ہے۔

بائیوکیمسٹری کے پروفیسر مسعود احمد کے خیال میں برج کورس ضروری، اہم اور معاون کورس ہے۔ لیکن اس پلیٹ فارم سے طلبا کو اتنی بے بندش کی آزادی بھی نہیں ملنی چاہیے کہ وہ اپنی شناخت ہی کھودیں۔ چونکہ قرآن بارہا کائنات کے بارے میں تفکر کی دعوت دیتا ہے لہٰذا ہمیں طلبا کے اندر تجسس کا ملکہ پیدا کرنا چاہیے۔ اسلام کی غلط تشریح نے مسلمانوں کے اندر مسلکیت پیدا کر دی ہے۔ اگر کوئی مسلک اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے تو یقیناً یہ غلط ہے۔ لیکن اگر برج کورس کے اندر فکری ونظریاتی اختلافات کے باوجود طلبا کے اندر تحقیق رجحان پیادکرتا ہے اور ان کے اندر ایک دوسرے کو انگیز کرنے اور بقائے باہم کا جذبہ پیدا ہوتا ہے تو یہ ایک شاندار کام ہوگا۔

ریزیڈنشیل کوچنگ اکیڈمی ک سابق ڈائرکٹر ڈاکٹر کلیم الدین کہتے ہیں کہ اگر ہم ماضی میں جھانکیں تو پائیں گے کہ سائنس اور اس کی مبادیات اور دیگر بہت سے علوم میں مسلمانوں نے زبردست خدمات انجام دی ہیں۔ علم کے تعلق سے مسلمانوں میں زبردست جوش و خروش رہا ہے۔ لیکن اس وقت ہمارے معاشرے مس ی ناخواندگی ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے مدرسہ طالب علم ٹھیک ڈھنگ سے اپنا نام بھی نہیں لکھ سکتے۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ مدارس اپنے نصاب میں تبدیلی کریں لیکن ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ وہ اس مس ی کچھ تھوڑا بہت اضافہ ضرور کریں۔ وہ برج کورس کی ستائش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسے دوسرے مقامات اور اداروں میں بھی شروع کیا جانا چاہیے۔ برج کورس میں طلبائے مدارس بہت کچھ سیکھیں گے اور یہاں سے نکلنے کے بعد معاشرے کے فروغ میں تعاون دیں گے۔ برج کورس نے محروموں کے لیے ایک دروازہ کھول دیا ہے۔ شعبہ ادویات کے ڈاکٹر مبارک حسین ڈاکٹر شاز کی زیر قیادت برج کورس کی ستائش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ برج کورس کے نتائج حیرت انگیز ہیں۔ اگر فارغین مدارس ایک دوسال کا کورس کرنے کے بعد انگریزی ادب، پولیٹیکل سائنس، معاشیات اور تاریخ وغیرہ مس ی داخلہ حاصل کر رہے ہیں تو اس سے یہ مفروضہ غلط ثابت ہو جائے گا کہ مدارس کے بچے نااہل ہوتے ہیں۔ وہ مدارس کے ذمہ داروں پر زور ڈالتے ہیں کہ وہ بھی اپنے یہاں اس قسم کا کورس شروع کریں۔ انھوں نے برج کورس کی مخالفت کو ناپسند کیا تاہم اس بات پر زور دیا کہ اس میں مثبت فیڈ بیک کی مدد سے مزید بہتری لائی جاسکتی ہے۔

شعبہ عربی کے محمد صلاح الدین عمری فارغین مدارس کے لیے برج کورس کا خیر مقدم کرتے ہیں البتہ وہ بھی اس میں سائنس وغیرہ اور لینگویج پڑھانے پر بھی زور دیتے ہیں۔ شعبہ انگریزی کی پروفیسر ثمینہ خان ویمن کالج کی پروفیسر عصمت آرا اور شعبہ فلسفہ کی ڈاکٹر روشن آرا اور اسی طرح شعبہ اردو کے پروفیسر ابوالکلام قاسمی بھی اس اقدام کی ستائش کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ ایسی کئی شخصیات بھی برج کورس کی تائید کرتی ہیں جو مسلم یونیورسٹی میں اپنی خدمات انجام دے چکی ہیں۔ تاہم بیشتر افراد کا یہی کہنا ہے کہ اسے اور بہتر کیا جا سکتا ہے۔ ان لوگوں کا یہ بھی اصرار ہے کہ اسے دوسری یونیورسٹیوں میں بھی شروع کیا جانا چاہیے۔

باب ۸

برج کورس کے بارے میں

شکوک وشبہات اوران کا ازالہ

برج کورس کے بارے میں بعض حلقوں میں کچھ غلط فہمیاں بھی ہیں جس کا احساس وادراک اس کے ذمہ داروں کو بھی ہے۔ حالانکہ یہ غلط فہمیاں تقریباً بے بنیاد ہیں۔ جو لوگ اس کے تصور سے ناواقف ہیں یا جو اس کی افادیت کو نہیں جانتے وہ مخالفانہ ومعاندانہ انداز میں سوچتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس سے مدارس کا نصب العین فوت ہو جائے گا۔ کیونکہ ان کے خیال میں مدارس کا قیام اسلامی علوم کے ماہرین پیدا کرنا ہے۔ اگر یہاں سے فارغ ہونے کے بعد لوگ دوسرے میدانوں میں چلے جائیں گے تو اسلامی تعلیم کے فروغ کا کیا بنے گا اور مدارس ومساجد کو افرادی قوت کہاں سے حاصل ہوگی۔ ان کو اس کا بھی اندیشہ ہے کہ یونیورسٹیوں میں جانے کے بعد فارغین مدارس اپنا کردار تج دیں گے اور ان کی دینی شناخت ختم ہو جائے گی۔

دوسرے میدانوں میں بھی دین کی خدمت کی جاسکتی ہے

لیکن بہت سے ایسے ماہرین جو مدارس کے فارغ تو ہیں لیکن یونیورسٹیوں میں یا دوسرے میدانوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں وہ ان شکوک وشبہات کو مسترد کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر سال ہزاروں کی تعداد میں فارغین مدارس سے باہر آتے ہیں۔ ان کے سامنے روزی روٹی کا مسئلہ ہوتا ہے۔ اب یہ تمام لوگ مسجدوں اور مدرسوں میں تو نہیں کھپ سکتے۔ ان کے لیے کوئی اور راستہ نکالنا ہوگا۔ اور پھر کیا یہ ضروری ہے کہ دین کی خدمت صرف مسجد ومدرسہ ہی سے کی جائے۔ کیا دوسرے میدانوں میں جا کر دین کی خدمت نہیں کی جاسکتی۔ وہ سوال کرتے ہیں کہ کیا ایسے لوگ جو مدرسوں سے نکل کر دوسرے میدانوں میں پہنچے ہیں اور جہاں انھوں نے کامیابیوں کے پرچم لہرائے ہیں کیا وہ تمام کے تمام لامذہب ہو گئے ہیں۔ کیا انھوں نے اپنی اسلامی اور مسلم شناخت ختم کر دی ہے۔ اہل مدارس کے سوچنے کا یہ زاویہ غلط اور ناپختہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دوسرے میدانوں میں جا کر دین کی ویسی ہی خدمت کی جا سکتی ہے جیسی کہ مسجد ومدرسہ میں جا کر کی جاسکتی ہے بلکہ اس سے بھی بہتر انداز میں کی جاسکتی ہے۔

ان کے خیال میں دوسرے میدانوں میں جا کر اسلام کی ایک بہتر شبیہ برادران وطن کے سامنے پیش کی جاسکتی ہے۔ اس وقت دنیا میں جو حالات ہیں اور جس طرح اہل مدارس کو بدنام کیا جا چکا ہے یا جا رہا ہے اور خود علمائے کرام نے اپنے کردار سے اس بدنامی میں اضافہ کیا ہے اس کو دور کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ مدارس کے فارغین دوسرے شعبوں میں جائیں اور وہاں وہ اسلام کے بارے

میں غلط فہمیوں کا اپنے عمل سے، کردار سے اور اپنے علم سے ازالہ کریں۔

طلبا آزاد پرندے نہ بن جائیں

کچھ لوگوں کو طلبائے مدارس کے یونیورسٹیوں میں داخلے پر تحفظات ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ مدارس کے طلبا جب وہاں سے نکل کر یونیورسٹی میں پہنچتے ہیں اوران پر عاید تمام پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں تو وہ پنجرے سے آزاد ہونے والا پرندہ بن جاتے ہیں اوران کے اندر بہت سی خرابیاں درآتی ہیں۔ان کا کردار تبدیل ہو جاتا ہے اور دینی رجحان ختم ہو جاتا ہے۔اس سے راشد شاز جزوی طور پر اتفاق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب طلبا مدرسے سے نکل کر یونیورسٹیوں میں جاتے ہیں تو چند ماہ میں ان کی ظاہری ہیئت کچھ اس طرح بدل جاتی ہے کہ ان کے ناموں میں اگر ندوی یا قاسمی کے لاحقے نہ ہوں تو پتا کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان کا تعلق بھی کسی دینی درسگاہ سے رہا ہے۔لیکن برج کورس کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔اس کورس کے یہ نئے علما جو علوم جدیدہ میں اپنی کامیابیوں کی داستان رقم کر رہے ہیں اس احساس سے سرشار ہیں کہ انگریزی ادب، معاشیات یا قانون وتجارت وسیاحت کے شعبوں میں اپنے ہم سبقوں پر بازی لے جانے کے علاوہ مدرسے کی ابتدائی تعلیم نے انھیں مشرقی واسلامی علوم پر جو دسترس عطا کی ہے وہ خدا کا ایک فضلِ خاص ہے۔ یہ ایک ایسا اضافی سرمایہ ہے جو آئندہ بھی علمی زندگی میں انھیں اپنے ہم سبقوں پر تفوق عطا کرتا رہے گا۔ برج کورس کا یہ تجربہ نہ صرف اہل مدرسہ کے لیے بلکہ یونیورسٹی کے لیے بھی ایک خوشگوار اور امید افزا تجربہ ہے۔

یہاں کے طلبہ کا بھی خیال ہے کہ برج کورس کے بارے میں کچھ لوگوں میں جو غلط فہمیاں ہیں ان کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کو اس بات کا احساس ہے کہ بے بنیاد افواہوں کے ذریعے یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ فارغین مدارس کو مساجد و مدارس تک ہی محدود رکھا جائے اور انھیں عصری علوم سے ہم آہنگ نہ ہونے دیا جائے یا ان کے نزدیک نہ جانے دیا جائے۔طلبا کو ان باتوں کا احساس ہے اور وہ اس سے ہوشیار بھی ہیں۔ برج کورس کے بعض طلبا نے مدارس کے طلبا سے اپیل کی ہے کہ وہ برج کورس کے بارے میں مخالفانہ پروپیگنڈے کے شکار نہ ہوں۔وہ اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے ان پر دینی علوم کے حصول کی جو فرضیت ہے اس کو پورا کریں، اس کی نشر واشاعت میں حصہ لیں۔لیکن اس کے ساتھ ہی برج کورس کی شکل میں ان کو آگے بڑھنے کا جو ایک سنہری موقع ملا ہوا ہے اس کو ضائع نہ کریں، اس سے فائدہ اٹھائیں۔مضبوط اور بلند ارادے کے ساتھ اس کورس میں داخل ہوں اور اپنے لیے دینی و دنیاوی کامیابی کا راستہ اختیار کریں۔

شکوک وشبہات کا ازالہ

شاید اسی احساس کے تحت شعبے کے ڈائرکٹر پروفیسر راشد شاز نے طلبائے برج کورس کو ایک پیغام دیا اور ان کو ایک نسخہ کیمیا بتایا۔ وہ پیغام اور وہ نسخہ کیمیا یہ ہے کہ یہاں کے طلبا دوسروں کے سامنے دوسروں سے بہتر نمونہ پیش کریں۔ یہ نمونہ ہر میدان میں پیش کیا جا سکتا ہے۔اخلاق کے میدان میں۔علم کے میدان میں۔مباحثے کے میدان میں۔اپنے مذہب کے ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب کے مطالعے کے میدان میں۔اگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ان کو دوسروں پر تفوق حاصل ہو جائے گا۔کیونکہ ان کے پاس

دینی کے ساتھ ساتھ عصری علوم کا خزانہ بھی ہوگا۔ان کا پیغام ہے کہ برج کورس میں جو بنیاد رکھی جارہی ہے وہاں کے فارغین اس بنیاد پر ایسی عمارت تعمیر کریں جو دوسروں کے لیے قابل رشک بھی ہو اور مشعل راہ بھی۔ راشد شاز نے ان لوگوں کو، جن کے دلوں میں برج کورس کے بارے میں کچھ شکوک وشبہات ہیں، کھلی دعوت دے رکھی ہے کہ وہ آئیں اور یہاں کے حالات کا مشاہدہ کریں۔ وہ اساتذہ سے بات کریں، طلبا سے بات کریں اور طلبا کی علمی استعداد اور صلاحیتوں کو سمجھنے اور جاننے کی کوشش کریں۔ راشد شاز کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ انقلاب کے لیے نئے صبح وشام کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ صبح وشام وہاں کے طلبا کو فراہم کیے جارہے ہیں یا ان سے روشناس کرایا جارہا ہے۔

غور وفکر کی آزادی

اس کورس میں طلبا کو سوچنے اور غور وفکر کرنے کی آزادی دی گئی ہے۔ جبکہ دوسرے مسلم اداروں میں اور یہاں تک کہ مسلم ممالک میں بھی سوچنے اور غور وفکر کرنے کی آزادی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان اداروں اور ملکوں میں خلاقانہ نتائج برآمد نہیں ہوتے۔ آگے اسی وقت بڑھا جاسکتا ہے جب علمی انداز میں کوشش کی جائے اور دلائل کو معاون بنایا جائے۔ اگر کچھ لوگ غلط فہمیوں اور غلط پروپیگنڈے کی بنیاد پر اپنے بچوں کو اس کورس میں بھیجنے سے گریز کر رہے ہیں تو یہ بہت بڑی بھول ہے۔ اس سے وہ بچے جو علمی میدان میں آگے بڑھنے کے امکانات اپنے اندر رکھتے ہیں وہ اس سے محروم ہو رہے ہیں۔ یاد رکھیں کہ جو زمان ومکان کے تقاضوں کا خیال نہیں رکھتا زمانہ اسے بھی آگے نہیں بڑھنے دیتا۔

کامیابیوں اور حصولیابیوں کے بارے میں پروفیسر شاز کہتے ہیں کہ برج کورس کے تجربے نے نوجوان علما وعالمات پر علوم وفنون کی نئی راہیں وا کی ہیں۔ اس وقت برج کورس کے طلبا وطالبات قانون، تجارت، سیاحت، معاشیات اور انگریزی ادب کے علاوہ مختلف عمرانی علوم کے شعبوں میں امتیازی کامیابیوں کے ساتھ حصول علم میں سرگرم ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ انگریزی اسکولوں سے آنے والے اپنے ہم سبقوں کے مقابلے میں ان نئے علما وعالمات کی کارکردگی کہیں بہتر ہے۔ نئے علما کا یہ قافلہ خوداعتمادی اور خدا اعتمادی سے سرشار ہے۔ اب تک ان کے پیش رو عربی، فارسی اور اسلامیات تک محدود رہنے کے سبب یونیورسٹیوں میں خود کو دوسرے درجے کا طالب علم سمجھتے تھے۔ لیکن اب یہ صورت حال نہیں رہ گئی۔

پروفیسر راشد شاز کے مذہبی افکار ونظریات

کچھ لوگوں کو اس شعبے کا سربراہ پروفیسر راشد شاز کو بنائے جانے پر اعتراض ہے۔ ان کا الزام ہے کہ ان کے نظریات انحرافی ہیں لہٰذا وہ طلبا کا ذہن خراب کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر پروفیسر عبدالماجد قاضی، شعبہ عربی، جامعہ ملیہ اسلامیہ کا کہنا ہے کہ راشد شاز نے لوگوں کے ذریعے جو باتیں کہیں یا کہلوائیں انھیں سنجیدہ لوگوں نے پسند نہیں کیا۔ اس لیے ان کو ایسا محسوس نہیں ہوا کہ یہ کورس کوئی بہت زیادہ مفید ہے یا زمانے سے ہم آہنگ ہے۔ ان کے خیال میں الگ الگ پلیٹ فارموں سے جو باتیں سامنے آئی ہیں ان سے ایسا لگتا ہے کہ برج کورس کوئی تشہیری پروگرام ہے۔ بہت سے لوگوں نے راشد شاز صاحب کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار کیا ہے۔

یہ شکوک وشبہات بیجا ہیں

انھی کی مانند بعض دینی مدارس کے اساتذہ بھی ان کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار کرتے ہیں۔لیکن پروفیسر اختر الواسع اس سے متفق نہیں ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ مذکورہ کورس کے ڈائرکٹر اس کورس کے ذریعے اپنے نظریات کی تشہیر نہیں کررہے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ راشد شاز کے خیالات وتصورات جو بھی ہوں لیکن انھوں نے اسے یا اپنی کتابوں کو نصاب کا حصہ نہیں بنایا۔وہ اس بارے میں سرسید کے مذہبی خیالات کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کے مذہبی تصورات اجماع امت کا حصہ نہیں بن پائے۔اسی لیے سرسید کا عاشق صادق ہونے کے باوجود میں ان کی مذہبی فکر سے اتفاق نہیں رکھتا۔لیکن میں ان کی عظمت کو سلام بھی کرتا ہوں۔کیونکہ جب انھوں نے کالج بنایا اور اس میں دینیات کا نصاب شروع کیا تو وہ چاہتے تو اپنے مذہبی خیالات کو اس کا حصہ بنا دیتے۔لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔بلکہ انھوں نے اجماع امت کا احترام کرتے ہوئے مولانا قاسم نانوتوی کو خط لکھا کہ میں کالج میں دینیات کا نصاب شروع کرنے جارہا ہوں۔اس لیے آپ سے گزارش ہے کہ آپ اپنے یہاں سے کسی عالم دین کو کالج بھیج دیجیے۔اور مولانا نانوتوی نے اپنے داماد اور فاضل اجل حضرت مولانا عبداللہ انصاری کو بھیجا جو پہلے ناظم دینیات بنے۔یہ توسع اور احترام اجماع امت علیگڑھ کا وصف ہے۔ہر شخص کو اپنے خیالات رکھنے کا حق حاصل ہے۔لیکن جب تک اجماع امت نہ ہو جائے انھیں سکہ رائج الوقت نہیں بنایا جا سکتا۔راشد شاز کے خیالات سے کسی کو اتفاق ہو یا نہ ہو وہ الگ بات ہے۔لیکن اگر کوئی اچھا کام کررہا ہے تو اس کی تائید اور مدد کرنی چاہیے اور اس کا اعتراف کرنا چاہیے۔علیگڑھ تو ایسی جگہ ہے جہاں لوگوں کی نگاہیں ہمیشہ کھلی رہتی ہیں اور وہ کسی کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے۔

برج کورس کے ایک طالب علم کے ساتھ کیا ہوا؟

اس بارے میں صحیح رائے طلبا دے سکتے ہیں۔ایک طالب علم عمیر خاں کہتے ہیں کہ ایک دفعہ جب میں برج کورس سے فارغ ہوا تو میرا چھوٹا بھائی جو مدرسۃ العلوم الاسلامیہ شاخ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں طالب علم تھا مجھے بلا کر لے گیا۔میں جب وہاں گیا تو وہاں کے استادوں نے خاص کر طارق ایوبی ندوی صاحب نے مجھے اپنے روم میں بلایا اور مجھ سے سوالات کرنے شروع کر دیے۔مجھے کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔کیوں کہ وہ میری کم اور اپنی زیادہ سنا رہے تھے۔میں نے انھیں کہا کہ مولانا اگر مدارس کے طلبہ بھی دنیوی تعلیم حاصل کر دنیا والوں اور یورپ والوں کو چیلنج کریں تو اس میں کیا برائی ہے۔وہ بولے کہ اب تک تم مدرسے کے طالب علم تھے۔ایکدم یونیورسٹی گئے،وہاں کی اچھی اچھی سڑکیں،بولڈ ماحول،لڑکیوں کا حسین ٹولہ دیکھ کر ہم کو برا کہتے ہو۔میں نے کہا حضرت برا کب کہا۔میں نے تو آپ بیتی لکھی ہے۔اپنی سوانح حیات لکھنے کا سب کو حق ہے۔وہ بولے میں تمھارے ڈاکٹر صاحب کو جواب دے رہا ہوں اور دوں گا۔میں نے کہا کہ آپ کو دو چار سال بعد خود ہی سمجھ میں آجائے گا کہ وہ غلط ہیں یا صحیح۔اور ہر رات کے بعد صبح ہوتی ہے۔اس طرح مجھے زیادہ پریشان کیا گیا۔کیونکہ میرے گھر میں دو مفتی ہیں اور حافظ ہیں۔لیکن مجھے خوشی ہے کہ اللہ نے اس نازک دور سے نکال کر مجھے نئی راہ دکھادی۔آج میں فخر سے کہتا ہوں کہ میں نہ دنیا میں کمتر ہوں اور نہ آخرت کے علم میں کچھ کمی ہے۔

ایک دوسرے طالب علم محمد اسماعیل کہتے ہیں کہ راشد شاز صاحب کا درس ہوا تو لگا کہ کچھ غلط فہمیاں ضرور ہیں جن کی وجہ سے ہم سب جو ایک نبی کے امتی ہونے کے باوجود فرقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ انھوں نے طلبہ کو الجھے ہوئے مسئلوں پر سوچنے کا جو انداز دیا وہ بہت ہی بہتر اور سودمند ثابت ہوا۔ انھوں نے بہت ہی انوکھا طرزِ فکر اور سوچنے کا اچھوتا انداز دیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتایا کہ اختلافات کے ازالہ کی بہتر شکل یہ ہے کہ دوریاں کم کی جائیں اور ایک دوسرے کے قریب آیا جائے، اپنے مابین گفتگو کا سلسلہ جاری رکھیں۔

جہاں تک راشد شاز کے افکار کی حمایت و مخالفت کا سوال ہے تو اکثر طلبا کا یہ کہنا ہے کہ وہ ان کے افکار سے کلی طور پر اتفاق نہیں رکھتے۔ ایک طالب علم نے ان کے افکار سے اختلاف کی دو بنیادی وجوہ قرار دیں۔ ایک احادیث کے سلسلے میں واضح موقف کی عدم موجودگی اور دوسری سوالوں کے تسلی بخش جواب دینے سے گریز۔

یہ بات درست ہے کہ راشد شاز نے اپنی کتابوں کو نصاب کا حصہ نہیں بنایا ہے۔ انھوں نے تو ایک سال کے لیے طلبا پر اپنی کتابیں پڑھنا ممنوع کر دیا تھا۔ متعدد طلبا بھی اس سے انکار کرتے ہیں کہ پروفیسر شاز اپنے نظریات تھوپنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کئی طلبا ان کے مذہبی رجحانات کے قائل نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ان کی مخلصانہ کوششوں کی تائید کرتے ہیں اور اس بات کا برملا اظہار کرتے ہیں کہ راشد شاز کی محنت و مشقت اور ان کے خلوص کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ انھوں نے اپنے اندر اتنی صلاحیتیں پیدا کر لی ہیں کہ وہ کسی بھی میدان میں جائیں تو ناکام نہیں ہوں گے۔

صدر شعبہ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی پروفیسر شہپر رسول بھی اس اس الزام سے متفق نہیں ہیں کہ راشد شاز اس کورس کی مدد سے اپنے نظریات طلبا پر تھوپ رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ انھوں نے پروفیسر راشد شاز کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں سنی ہے جو قابل اعتراض ہو۔ ممکن ہے کہ کچھ لوگوں نے ذاتی بنیاد پر کوئی بات کہی ہو۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ انھوں نے کوئی ایسا قدم اٹھایا ہے جو ناپسندیدہ ہے۔

باب ۹

ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں

(طلبائے برج کورس کے احساسات وخیالات)

کسی بھی معاملے میں جہاں غیر متعلقین کی آراء دیکھی جاتی ہیں وہیں متعلقین کی آراء پر بھی نظر ڈالی چاہیے۔ کیونکہ وہی زیادہ بہتر انداز میں یا مبنی برانصاف رائے سامنے رکھ سکتے ہیں۔ لہٰذا ہم نے سوچا کہ کیوں نہ طلبائے برج کورس کے خیالات سے بھی قارئین کو واقف کرایا جائے۔ یوں تو بہت سے طلبا نے اپنے خوشگوار تجربات کا اظہار کیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ سب کو پیش نہیں کیا جا سکتا۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ متعدد طلبا کے مختلف النوع خیالات کو لوگوں کے سامنے رکھ دیا جائے۔ چنانچہ یہ باب انھی طلبہ کے نام معنون ہے۔ کیونکہ انھی کے دم سے اس گوشے میں رونق اور چہل پہل ہے۔ اس کورس کی کامیابی انھی کی دلچسپیوں کی مرہون منت ہے۔

برج کورس کے طلبا نے بڑی مسرت اور فراخ دلی کے ساتھ اپنے خیالات، تاثرات، تجربات اور مشاہدات رقم کیے ہیں۔ انھوں نے برج کورس میں اپنی کامیابیوں کے بارے میں بھی بلاخوف تردید اظہار خیال کیا ہے۔ کئی طلبا نے مدرسہ اور برج کورس میں گزاری ہوئی اپنی زندگی اور ان دونوں ادوار میں کامیابیوں اور حصولیابیوں کا فیاضی کے ساتھ موازنہ بھی کیا ہے۔ کسی نے لکھا کہ یہاں آنے کے بعد اس کے دل کی دنیا بدل گئی تو کسی نے کہا کہ اسے اپنی منزل مقصود مل گئی۔ کسی نے اپنی صلاحیتوں میں اچانک بے تحاشہ اضافے پر اظہار حیرت کیا تو کسی نے اپنے اندر چھپی ہوئی اس اہلیت کو باہر لانے پر برج کورس کا شکریہ ادا کیا جس کے بارے میں اسے علم ہی نہیں تھا۔ بعض طلبا نے تفصیلی انداز میں اپنے تجربات بیان کیے تو بعض نے ذرا اختصار سے کام لیا۔ بعض نے اپنے بچپن کی یادوں کو مدرسہ اور مسلم یونیورسٹی کی یادوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی تو بعض نے اس کا جائزہ لیا کہ کس طرح ایک مختصر مدت میں انھیں زندگی کا راز حاصل ہو گیا۔

ان طلبا نے کچھ چھپایا نہیں، کچھ پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ یہاں تک کہ کئی طلبا نے بلا جھجک اس بات کا اظہار کیا کہ یہاں آنے سے قبل ان کے اندر مسلکی تعصب کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ کچھ کے نزدیک دوسرے مسلک کے لوگوں سے ملنا جلنا، بات چیت کرنا اور ان کی اقتدا میں نماز ادا کرنا انتہائی معیوب تھا۔ لیکن یہاں آنے کے بعد انھوں نے ان تعصّبات کو دل ودماغ سے نکال کر پھینک دیا۔ کسی طالب علم نے یہ لکھا کہ مختلف مکاتب فکر کے مدارس میں یہی پڑھایا جاتا ہے کہ اگر تم نے دوسروں سے اختلاط کیا تو اس راستے سے بھٹک جاؤ گے جس کا مدارس کے ذمہ داروں نے ''صراط مستقیم'' نام رکھ چھوڑا ہے۔ یعنی دوسروں کے ساتھ اختلاط و

ارتباط سے ان کے ایمان کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ اسی لیے وہ دوسروں سے نہ تو ملتے تھے اور نہ ہی ان کے مسلک کی کتابوں کا مطالعہ ہی کرتے تھے۔ ان طلبا کے بقول اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم تنگ نظری کے خول میں مقید ہو کر رہ گئے۔

بعض طلبا نے یوں اپنے تجربات بیان کیے ہیں کہ انھوں نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اس کلاس میں تو ہرگز نہیں جائیں گے جس میں دوسرے مسالک سے ارتباط و اختلاط پر زور دیا جاتا ہے۔ لیکن جب ان کے دل و دماغ ایک کشمکش کی آماجگاہ بن گئے تو بالآخر دل کو کامیابی ملی اور وہ اپنے دل کی آواز پر اس کلاس میں حاضر ہو گئے۔ وہاں انھوں نے عجیب و غریب مناظر دیکھے۔ ایسے مناظر جو کبھی ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آئے تھے۔ جب انھوں نے برج کورس کے ڈائرکٹر پروفیسر راشد شاز کی مدلل گفتگو سنی تو انھیں احساس ہوا کہ نہیں وہ تو بڑی غلطی پر تھے۔ انھیں ایسے کلاس میں ضرور حاضر ہونا چاہیے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ دوسروں سے الگ تھلگ رہ کر ہم نے بڑا خسارہ اٹھایا ہے۔ یہ خسارہ صرف ہمارا نہیں ہے بلکہ ملت کا بھی ہے اور انسانیت کا بھی ہے۔ لہٰذا انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اب اس کلاس کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے کیونکہ جو دولت اس میں بٹ رہی ہے وہ تو کہیں اور مل ہی نہیں سکتی۔

غرضیکہ متعدد طلبا نے اپنے خیالات بڑے بے باکانہ انداز میں تحریر کیے۔ یہاں انھیں ایسی جرأت رندانہ حاصل ہوئی کہ انھوں نے اپنے دلوں کی دنیا کھول کر رکھ دی اور سابقہ علمی و درسی تجربات کی خامیوں کو بھی بے کھٹکے کھول کر پیش کر دیا۔ بعض نے اپنے تفصیلی اور بعض نے مختصر مضامین میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ دراصل برج کورس کے تعلق سے ایک ایسی گواہی ہے جو کہیں اور نہیں ملے گی اور جس کی صداقت پر شبہ کرنا اپنے آپ پر شبہ کرنے کے مترادف ہوگا۔ ان کے دلی تجربات کو ہم کامیابیوں کی داستان بھی کہہ سکتے ہیں اور دل کی بدلی ہوئی دنیا کے روداد بھی۔ ان داستانوں کو ''منزل ما دور نیست'' اور ''المدرسہ'' کے زیر عنوان دو خوبصورت کتابوں میں پیش کیا گیا ہے۔ اول الذکر اردو میں ہے تو ثانی الذکر اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ہے۔ انتہائی دلکش انداز میں رنگین تصاویر کے ساتھ شائع کی جانے والی یہ دونوں کتابیں برج کورس کی دستاویز ہیں۔ ان کتابوں پر اہل قلم اور صحافیوں نے اپنے اپنے انداز میں تبصرے اور تاثرات پیش کیے ہیں۔ میں یہاں دو صحافیوں کے تاثرات کے اقتباسات پیش کرنا چاہوں گا۔ پہلے دہلی میں مقیم ایک جواں سال صحافی علم اللہ اصلاحی کے تبصرے کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں تا کہ طلبا کے تجربات کے بارے میں برج کورس کے باہر کے افراد کے تاثرات کا اندازہ ہو سکے۔ میں طلبا کے خیالات کو بے حد اہم تصور کرتا ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ ان تاثرات میں اتر کر ہی ہم حقیقتاً برج کورس کی اہمیت، افادیت و ضرورت کا ادراک کر سکیں۔

علم اللہ اصلاحی لکھتے ہیں کہ ''اس کتاب کو ہم احمد فراز کی اس نظم کی شرح سے تعبیر کر سکتے ہیں جس میں کل 39 خوابوں کی روداد اور خودنوشت کہانیاں ہیں اور ہر کہانی ایک مکمل داستان ہے۔ جس میں درد ہے، کسک ہے، تڑپ ہے، احساس ہے۔ پاکیزہ جذبوں، آنسوؤں اور نیک تمناؤں سے مزین یہ کہانیاں اس وجہ سے بھی دلچسپ اور معلوماتی ہیں کہ اس میں مدارس دینیہ سے فارغ طلبا کی داستان ہے جن کے بہت سارے خوابوں کو بچپن میں ہی کچل دیا جاتا ہے اور ایک مخصوص ذہن اور خطوط پر ان کی تربیت کی جاتی ہے۔ لیکن جب وہ وہاں سے باہر نکلتے ہیں اور دنیا دیکھتے ہیں اور ان کو اپنی اہمیت اور قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے تو کیسے ان کے خواب زندہ ہو

جاتے ہیں! اور اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لئے وہ کس قدر بے قرار ہو جاتے ہیں! یہ کتاب اس کی بھرپور انداز میں نشاندہی کرتی ہے۔ یہ کہانیاں مدارس سے فارغ طلبا کو اندھیرے میں اجالے کی نوید سناتی ہیں۔ ان کی سوچ اور ذہن کے پردے پر کس قسم کی تہیں جمی ہوئی تھیں اور ان کو کیسے ان طلبا نے کھرچ کر پھینک دیا! کیسے مختلف مکاتب فکر اور مسالک کے ماننے والے ایک بینر تلے جمع ہو گئے! کیسے ان کے اندر دین، اسلام، انسانیت اور ملک وقوم کی خدمت کا جذبہ (اسکول اور یونیورسٹیوں سے تعلیم یافتہ طلبا کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے ہو کر) جاگزیں ہوا! کیسے وہ مسلک اور فرقہ بندی کے قیود سے آزاد ہو کر ''ان الدین عنداللہ الاسلام'' کی تعبیر بننے کے لئے کوشاں ہو گئے! یہ کتاب ان تمام باتوں کو ایک دلچسپ انداز میں بیان کرتی ہے۔ بیشتر طلبا کا تعلق یوپی اور بہار کے ان دور افتادہ اور پسماندہ علاقوں سے ہے، جہاں کے لوگ شاید ہی اعلیٰ تعلیم کے بارے میں فکرمند ہوتے ہوں یا اپنے سپوتوں کو کچھ بڑا بنانے کے بارے میں سوچتے ہوں۔ اگر بھولے سے کبھی ان کے ذہن میں ایسا کوئی خیال پیدا بھی ہوتا ہے تو وہ اس کو وسائل کی کمی اور غربت کی وجہ سے کچل دیتے ہیں۔ بعض کہانیاں اس قدر دلدوز ہیں اور جذباتی بھی کہ آپ کی آنکھوں میں آنسو آئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان میں سے کسی نے ڈاکٹر بننے کا خواب دیکھا ہوا ہے تو کوئی آئی اے ایس افسر بننے کا متمنی ہے۔ کوئی محقق، کوئی لیڈر تو کوئی قانون داں اور سماجی کارکن بن کر قوم وملت کی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہے۔ مدارس سے پڑھنے کے بعد یہ طلبا اپنے خوابوں کو شرمندہ تعبیر نہیں کر سکتے تھے لیکن اب ان کے لئے راہیں ہموار ہو گئی ہیں۔ بلکہ ان میں سے کچھ طلبا تو ملک کی معتبر یونیورسٹیوں میں اچھے کورسوں میں داخلہ پانے میں کامیاب بھی ہو گئے ہیں۔ کہانی کا انداز انتہائی سادہ اور دلچسپ ہے جو کہ نوجوانوں کے قلم، ان کی سوچ اور فکر کو ہی نہیں درشاتا بلکہ بتاتا ہے کہ بہت اونچی اڑان کا خواب دیکھنے والے یہ نوجوان اگر ستاروں پر کمندیں نہ بھی ڈال سکیں تو کم از کم وہاں کی سیر تو کر ہی آئیں گے۔ نوجوانوں کا فطری انداز قاری کو صرف جذباتی ہی نہیں بناتا ہے بلکہ ان کے چھوٹے چھوٹے خوابوں اور یونیورسٹی آنے سے قبل اور بعد کی داستان آپ کو مسکرانے پر بھی مجبور کر دیتی ہے۔ ایک جگہ ایک طالب علم محمد اسماعیل انگریزی نہ جاننے اور محفل میں اس سے انگریزی میں سوال کیے جانے پر کیسے اپنے راز کو افشا نہیں ہونے دیتا، اس بارے میں وہ بتاتا ہے: ''باہر چند کرسیاں پڑی ہوئی تھیں، جن پر لوگ سلیقے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ دیکھنے ہی سے معلوم ہوتا تھا کہ سارے لوگ پڑھے لکھے ہیں۔ چونکہ میری بچپن سے عادت رہی ہے کہ جہاں پڑھائی لکھائی کی بات ہوتی وہاں میں ضرور بیٹھتا تھا۔ لہٰذا میں نے بھی اپنی کرسی کو جنبش دی اور ان کے قریب ہو لیا۔ وہ لوگ آپس میں کسی موضوع پر بات کر رہے تھے اور درمیان میں انگریزی کے الفاظ بھی استعمال کر رہے تھے۔ اس وجہ سے مجھے پوری بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ خیر میں اس وجہ سے ہاں میں ہاں ملاتا جا رہا تھا کہ لوگوں کو پتہ نہ چلے کہ میں انگریزی نہیں جانتا۔ آخر ایک صاحب نے ?Where are you from کہہ کر میری پول کھولنے کی کوشش کر ہی ڈالی۔ لیکن میں بھی کہاں پیچھے ہٹنے والا تھا۔ آخر مولوی طبقے سے تعلق رکھتا تھا! چچی کے بلانے کا بہانہ کیا اور وہاں سے کھسک لیا۔ اس دن تو میری عزت کسی طرح بچ گئی لیکن جو صدمہ میرے دل پر لگا وہ بہت گہرا تھا اور میں نے اسی دن سے پکا ارادہ بنا لیا کہ میں عصری تعلیم ضرور حاصل کروں گا''۔

اسی طرح ممبئی میں مقیم ایک صحافی وصیل خاں یوں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہیں:

''منزل ما دور نیست علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں کچھ عرصہ سے قائم برج کورس کے طلبا کی خودنوشت تحریروں پر مشتمل ایک ایسا کتابی مجموعہ ہے جس میں مختلف علاقوں اور دینی مدارس کے فارغین طلبا کے وہ تاثرات واحساسات شامل ہیں جو انہوں نے برج کورس میں اپنی شمولیت کے بعد تحریر کئے ہیں۔ ان میں سے بیشتر طلبا کا تعلق یوپی اور بہار سے ہے۔ کتاب میں ایسے کل 39 طلبا وطالبات کی تحریریں ہیں جنھیں پڑھ کر نہ صرف ان کی علمی تڑپ کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اسلامی علوم کے حصول کے بعد عصری علوم کی دستیابی کے لیے کس قدر مشکلات اور طرح طرح کی رکاوٹوں کا سامنا کرتے ہوئے اپنا تعلیمی سفر جاری رکھا اور بڑی حد تک کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ فی الوقت مسلمانوں کو علمی میدان میں دو بڑے چیلنجوں کا سامنا ہے۔ ایک تو یہ کہ برادران وطن کے مقابلے میں ان کی تعلیمی رفتار بہت سست ہے۔ دوسرے یہ کہ ہمارے دینی اداروں کے فارغین عصری علوم سے اتنا نا آشنا ہوتے ہیں کہ اگر وہ چاہیں بھی تو برادران وطن سے اسلامی علوم کی ترویج کے لیے راست مکالمہ نہیں کر سکتے۔ عمومی طور پر وہ انگریزی سے بڑی حد تک نابلد ہوتے ہیں اور اسی لسانی بُعد کے سبب انہیں بے پناہ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس تناظر میں یہ اشد ضروری ہوجاتا ہے کہ ہمارے دینی مدارس کے طلبا عصری علوم سے مکمل آگاہی رکھیں تاکہ وہ اسلامی علوم کے برج پر چلتے ہوئے عصری علوم کی اس سرزمین تک پہنچ جائیں جہاں مدعو کی حیثیت سے انسانوں کی ایک بڑی تعداد ان کی منتظر ہے۔ یہ مضامین اصلاً ان خوابوں کی روداد ہے جو تمام تر تجربات، مشاہدات اور ذاتی احساسات پر مبنی ہیں۔ ہر داستان اپنی جگہ پوری طرح مکمل ہے جس میں درد بھی ہے تڑپ بھی ہے اور کسک بھی ہے۔ لیکن ان تمام داستانوں کے پیچھے جو قدر مشترک ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایک طالب علم کا ذہن دنیاوی سازشوں اور بدعنوانیوں سے پاک ہے اور وہ پورے خلوص اور لگن کے ساتھ عصری علوم کا حصول اس مقصد کے لیے کرنا چاہتا ہے کہ اس کے ذریعے وہ خالص قرآنی تعلیمات اور اسوۂ رسول ان برادران وطن تک پہنچا سکے جس کی انہیں فی زمانہ شدید ضرورت ہے۔ برج کورس کا جو مقصد ہے اس سے ذرا بھی انحراف تمام تر منصوبہ بندیوں کو خاک کرسکتا ہے۔ اس لیے بے حد محتاط اور چوکنا ہونے کی ضرورت ہے۔ مضامین کے مطالعے سے اس بات کا بخوبی پتہ چلتا ہے کہ طلبا میں جدید فکری رجحانات کے سبب ان کے اندر قلبی و ذہنی وسعت میں حیرت انگیز اضافہ ہوا ہے''۔

اب آیئے ان طلبا کی زبانی ان کے اپنے تجربات ومشاہدات سے ہم بھی واقف ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔

م۔نعمان

''برج کورس سے اگر میری خواہش پوری نہ ہوتی ہوتو نہ سہی مگر میں سمجھتا ہوں کہ آج میں خالی نہیں ہوں۔ بہت کچھ میرے اندر کا باہر لانے میں برج کورس ہی ایک واحد محرک ثابت ہوا ہے۔اس کورس کے ذریعے زبانی کمزوری تو دور ہوئی ہی،اس کے ساتھ ساتھ فکری ارتقائی منازل بھی طے ہوئی ہیں۔سوچنے کی آزادی فراہم ہوئی،فکری نہج میں تبدیلی رونما ہوئی ہے۔فکری وسعت کے جن موضوعات پر کبھی سوچا نہ تھا آج وہ موضوعات ضروری محسوس ہوتے ہیں۔اب سمجھ میں آیا کہ ان موضوعات پر بھی سوچا جا سکتا ہے اور کچھ کیا جا سکتا ہے۔امتِ مسلمہ آج زوال کی طرف برق رفتاری سے گامزن ہے۔مگر ہماری سردمہری ہے کہ اس کے تدارک کا خیال تک نہیں آتا ہے۔ہم اپنے میں مگن ہیں اور اپنے کو صحیح اور دوسرے کو غلط اپنے کو حق اور دوسرے کو باطل،اپنے مفاد کی وجہ سے منافقت کا استعمال۔یہ ہمارے رگ و پے میں شامل ہے۔ہم اپنے کو برپا کرنے کا مقصد تو کیا کہ اپنے وجود کو بھی بچا نہیں پا رہے ہیں۔اس کی چند وجوہات ہیں جن کا یہاں ذکر ضروری ہے۔

اللہ رب العزت نے انسان کو جو تمام نعمتوں سے نوازا ہے۔جو غیر محسوس طریقے پر بیش قیمت تحائف دیے ہیں ان میں سب سے اہم ترین تحفہ عقل کا تحفہ ہے۔ہمیں دماغ عطا کیا گیا ہے۔اس کے بارے میں آتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کے ساتھ کسی بھی پیغمبر کو نہ بھیجتا تو بھی انسان پر اللہ کو پہچاننا واجب تھا۔عقل اتنی بڑی دولت ہے۔لیکن آج ہم نے اپنی عقل کو سلا دیا ہے اور روایت پسندی کو ایمان سمجھ لیا ہے۔اس سے ہٹنے سے آج ہم کو خوف کا احساس ہونے لگا ہے۔جس کی وجہ سے ہمارے اندر سے فکری رمق تک مفقود ہو کر رہ گئی۔جس کے نقصانات آج ہماری نظروں کے سامنے عیاں ہیں کہ جن لوگوں (مسلمانوں) نے ایک ہزار سال تک دنیا کو قیادت دی وہ آج حاشیہ پر ہیں۔یہ سب فکری آزادی پر قدغن لگانے کی وجہ سے ہے۔اگر ہم ذرا بھی سوچنے کی کوشش کریں اور سوچیں کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں کو ان کی محنت پر نواز سکتا ہے تو کیا اگر ہم بھی کوشش کریں تو کیا کامیابی ہمیں نہیں مل سکتی؟ بہر حال یہ باتیں جو میں سپردِ قرطاس کر رہا ہوں اس کے پس پردہ کوئی اور نہیں بلکہ برج کورس ہے۔اسی نے یہ ہمت وحوصلہ دیا۔اسی نے خوابیدہ چنگاری کو پھر سے جلا بخشی اور کچھ کرنے کی ہمت عطا کی۔لہٰذا اس کورس میں میں نے بھی اپنے اندر اس طرح کی بہت سی تبدیلیاں محسوس کیں جن میں فکری نہج کی تبدیلی سرفہرست ہے۔میرے یا چند لوگوں کی تبدیلی سے کچھ زیادہ نہ ہو پائے گا لیکن اگر برج کورس یہ خدمت انجام دیتا رہا تو میں امید کرتا ہوں کہ ہماری تاریخ پھر سے دہرائی جا سکتی ہے''۔

عبدالمبین

''یہاں پر غور وفکر کا جو سلیقہ ہمیں دستیاب ہوا وہ ہمارے ڈائریکٹر صاحب کی نوازشات ہیں۔اس سے پہلے ہم صرف کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔موٹی موٹی کتابیں پڑھ کر ان کی باتوں کو ذہن میں صرف بٹھا لیتے تھے۔لیکن اب یہاں آنے کے بعد معلوم ہوا کہ مطالعہ صرف کتاب پڑھنے پر ہی ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس پر غور وفکر بھی ضروری ہے کہ مصنف نے اس بات کو یہاں پر رکھا تو کیا اس میں اور بھی کچھ پیچیدہ مسائل ہو سکتے ہیں؟ تو جب تک انسان غور وفکر کر کے بات کی تہہ تک نہیں پہنچتا اس کا مطالعہ ادھورا ہی رہتا ہے اور

وہ اس خوش فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ میں نے بہت کچھ مطالعہ کر کے سیکھ لیا ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ جب ہم نے غور و فکر کرنا شروع کیا تو چار پانچ مہینوں ہی میں جو کبھی میں سوچ نہیں سکتا تھا اللہ کے کرم سے مجھے حاصل ہوا اور یہ سب غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ انسان جب کوئی قدم غور و فکر کر کے اٹھاتا ہے تو اس کو منزل تک پہنچنے میں بہت آسانی ہوتی ہے۔ یہاں آنے سے پہلے میں سوچا کرتا تھا کہ ہمیں یہ کرنا ہے ہمیں وہ کرنا ہے، ہمیں فلاں چیز بننا ہے۔ لیکن جب میں یہاں پہنچا اور میں نے غور و فکر کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ زندگی کا اصل راز اس میں مضمر نہیں ہے کہ ہمیں فلاں اور فلاں بننا ہے بلکہ کچھ اور سیکھنے سے بہتر ہے کہ دوسروں کی زبانیں سیکھی جائیں۔ جس سے ہم ان کی کتابوں کو پڑھ سکیں، سمجھ سکیں اور انہی کی زبانوں میں دوسروں کو سمجھا سکیں اور ان کی کتابوں کی غلط اور گمراہ کن باتوں تردید کر سکیں جس سے دین کا کچھ کام ہو سکے۔ دین کی خدمت کرنا ہی اصل زندگی ہے''۔

ارشاد احمد

''جب میں نے اپنا قدم برج کورس میں رکھا تو شروع شروع میں مجھے عجیب سے خیالات آنے لگے۔ میں ہمیشہ ہی سوچتا تھا کہ یہ میرے لیے کارگر ثابت نہیں ہوگا۔ اسی وقت میرے لیے اپنے لباس و رہن سہن کو اچانک تبدیل کر پانا بڑا دشوار عمل تھا۔ لیکن اپنے آپ میں تبدیلی دیکھ کر مجھے ذرا سی بھی شرمندگی محسوس نہ ہوئی۔ برج کورس میں پوری طرح سے داخل ہو جانے کے بعد ہمارے اساتذہ نے ہمارا خوب ساتھ نبھایا۔ میں اس کورس کے مقصد کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا اور مجھے ایک امید کی کرن نظر آنے لگی۔ شروع شروع میں تو دشواری ہوئی لیکن چند مہینوں میں بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ جیسے کہ انگریزی زبان حیرت انگیز طور پر برق رفتاری کے ساتھ سیکھنے کو ملی اور اس سے بھی بڑی دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ چیز ملی جسے اگر ہیرے سے بھی تشبیہ دی جائے تو بھی کم ہے۔ اس کام میں سب سے اہم کردار ہمارے ڈائریکٹر صاحب کا ہے اور اسے میں نے critical thinking کے نام سے جانا۔ وہ ہمیشہ ہمیں اسی بات کی تلقین کرتے رہے کہ کسی بھی بات پر اس وقت تک بھروسہ نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی جڑوں تک رسائی نہ ہو جائے، جب تک کہ اس پر غور و فکر نہ کر لیا جائے۔ میں اس وقت مبہوت رہ گیا جب میں نے ان کی پُر اثر تقریر کو ملاحظہ کیا۔ ان کی وہ باتیں میرے ذہن میں ہمیشہ کھٹکتی رہتی ہیں کہ لوگ اصل دین سے بھٹک گئے ہیں۔ لیکن ان کی یہ thinking میرے لیے تلاشِ حق کی راہ میں کارگر ثابت ہو رہی ہیں۔ کیوں نہ ہو جو کہ ایسا tool ہے جس کے ذریعے سچائی اور برائی کو ترازو پر رکھ کر تولا جا سکتا ہے جس کی کوئی نظیر نہیں اور میں ان کی ہدایات کو لے کر مستقبل کا راستہ طے کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اے اللہ تو ہی سب سے بڑا ہادی ہے اور تو ہی کامیابی دینے والا ہے''۔

صبیحہ امین

''برج کورس کے اندر میرا پہلا دن تھا جس میں مجھے انگریزی میں اپنا تعارف کرانا تھا۔ میں اس وقت بہت خاموش تھی۔ میں نے کچھ جواب نہیں دیا اور پھر میں کچھ دن کے بعد ان بچوں سے بولنے لگی۔ اب مجھے لگتا ہے کہ میں برج کورس میں انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آگے مزید کچھ سیکھ سکوں گی۔ میں اپنے خواب کو پورا کر سکوں گی اور جب میں انگریزی کی تعلیم حاصل کر لوں گی تو سب سے پہلے مدرسہ کے بچوں کو انگریزی کی تعلیم دوں گی۔ ان بچوں کو جو انگریزی سے محروم ہیں جس کی وجہ سے کوئی بھی کالج ان

بچوں کو داخلہ نہیں دیتا ہے''۔

جنید احمد

''میری زندگی کا اہم موڑ برج کورس کی بازیافت ہے۔اس کورس میں داخلہ لینے کے بعد ہمارا مقصد تو دنیوی تعلیم سے آشنائی کا تھا اوراس کورس نے ہمارا مقصد تو پورا کیا ہی ساتھ ساتھ ایک عظیم فکر بھی دی۔ میں نے یہاں ان علوم کو حاصل کیا جن کا فقدان میری زندگی میں بھرپور نظر آتا تھا۔ میں نے انگریزی زبان کے ایک مختصر اور جامع حصہ کو اپنے ذہن میں محفوظ کیا جو کہ عالمی سطح پر لوگوں کے مابین اظہار خیال کے لیے واحد ذریعہ ہے۔سماجیات،اقتصادیات،جغرافیہ، سیاسیات ،تاریخ جیسے علوم کی بھی حصولیابی کی۔ان تمام علوم کو ہم نے بنیادی طور پر جان لیا ہے''۔

مسبّحہ افتخار

''برج کورس میں میں نے اپنی زندگی میں بہت ساری تبدیلیاں پائیں اور میں نے یہاں اس کورس میں بہت کچھ سیکھا۔اب ہم اپنے آپ کو دنیا کے سامنے دکھاسکیں گے کہ ہم مدرسہ کے طلباء بھی کسی اچھے اسکول کے بچوں سے کم نہیں ہیں اور ہم بھی اگر محنت ،لگن اور شوق کے ساتھ آگے بڑھیں تو دنیا کے کسی بھی فیلڈ میں جاسکتے ہیں۔ہم دنیا کو دکھاسکتے ہیں کہ ہم مدرسوں میں پڑھنے والے بچوں کو ہلکے میں نہ لیا جائے کہ یہ مدرسہ میں پڑھ کر صرف مولوی اور عالم ہی بن سکتے ہیں اور اس کے سوا ان کے پاس کوئی راستہ نہیں ہے۔ ہم مدرسے کے بچے بھی کچھ بن کر دکھاسکتے ہیں اور یہ موقع ہم مدارس کے طلباء کو برج کورس نے دیا۔ برج کورس میں ہم نے اپنی سوچ کو وسیع کرنا سیکھا اور اپنے اندر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پیدا کی''۔

شرافت حسین

''مجھے پورا اعتراف ہے کہ یہاں آنے سے پہلے میں نے قرآن وحدیث کی تعلیم حاصل کی۔مختلف اساتذہ سے مختلف انداز میں پڑھا اور سمجھنے کی کوشش کی۔مگر نہ جانے کیوں کبھی خود کو نہیں پڑھ سکا۔ وہ عظیم نعمت جس سے انسان کو امتیاز حاصل ہے یعنی عقل،اس کو کبھی آزادانہ طو پر استعمال نہیں کرسکا۔کسی بھی چیز کو فطری انداز میں کھلے ذہن سے نہیں دیکھا، سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ یہاں آنے کے بعد الحمدللہ وہ قیمتی جوہر جو کسی وجہ سے دبا ہوا تھا، چھپا ہوا تھا اسے کھولنے کا حسین موقع ملا اور الحمدللہ بہت حد تک اس چھپے ہوئے قیمتی جوہر کو نکھارنے کی کوشش بھی کی اور کامیابی بھی ملی۔ دوسری اہم بات یہ کہ یہاں آنے سے پہلے میں مسلم قوم کو اس میں بھی صرف اپنا فرقہ یعنی سنی کو جس نظر سے دیکھتا تھا اس کے بارے میں میرے ذہن میں جو تصور قائم تھا وہ قدرے مختلف تھا۔ یہاں گزارے چند ماہ کے لمحات نے وہ تصور ختم کر کے ایک حسین امتزاج کے قوی امکان کا تصور دیا۔ بلکہ بین الاقوامی سطح پر پوری بنی نوع انسانی کے درمیان کیسے حسین رشتہ قائم ہوسکتا ہے؟ یہ تصور بھی دیا۔اور سب سے اہم بات جسے میں کبھی فراموش کر ہی نہیں سکتا وہ یہ ہے کہ میں نے یہاں چند ماہ گزار کر یہ پایا کہ وسعت ظرف کیا چیز ہے؟ وسعتِ قلب ونظر کن معنوں میں ہونی چاہیے اور آج موجودہ اسلامی دنیا میں کن معنوں میں ہے۔ بہر حال یہ میرے لیے سب سے قیمتی سرمایہ ہے جو میں نے یہاں چند ماہ میں حاصل کیا کہ وسعت کا چشمہ لگا کر دنیا کو

دیکھا جائے اور انسانیت کو سمجھا جائے۔ یہ وہ حقائق ہیں جو میری زندگی میں انقلاب انگیز لمحات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جنھیں میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا اور یہ میرے لیے برج کورس میں حاصل کیا ہوا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ لیکن اس کا مطلب بالکل یہ نہ ہونا چاہیے کہ اہلِ مدارس نے مجھے کچھ نہیں دیا۔ یا مجھے ذکر کردہ چیزوں پر وہاں پابندی تھی۔ میں کھل کر سوچ نہیں سکتا تھا، بول نہیں سکتا تھا۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ براہِ راست مجھے کوئی ایسی شخصیت نہیں مل سکی یا ایسا ماحول نہیں ملا جو میرے قلب و ذہن کو اپیل کرتا، اسے استعمال کرنے پر مجبور کرتا اور اس چھپی ہوئی حقیقت کو میرے سامنے واشگاف کرتا جسے میں نے یہاں براہِ راست حاصل کیا۔ برج کورس کے قیام کا ایک عظیم مقصد بین المذاہب والمسالک تناظرات وتصورات کی تشکیل نو بھی ہے جس کی تکمیل کے لیے مختلف پروگرام اور سیمنار منعقد کیے گئے۔ ان میں آپسی مناقشوں اور مشترکہ بحث ومباحثہ کے ذریعے تمام مذاہب ومسالک کے افراد کو امت مسلمہ کے خارجی و داخلی بحران، امت مسلمہ کا کرب، بے مہار اتحاد اور بے نگاہ تقلید، عصر حاضر میں اسلامی فلسفۂ اخلاق کا احیا اور مستقبل کے لیے اسلامی نقطۂ نظر جیسے موضوعات پر غور وفکر کی دعوت دی جاتی۔ یہ وہ اسٹیج تھا جس نے ہم طلبہ کے سامنے قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم کا عملی خاکہ پیش کیا اور ہمیں ایک آفاقی اور عالمگیر طرز فکر کا حامل بنانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ برج کورس کے سلسلے میں ایک اہم تأثر یہ قائم ہوا کہ محض ایک سال کے تعلیمی پروگرام کے ذریعے طلبائے مدارس میں عصری تعلیم حاصل کرنے کا ملکہ پیدا کردینا گیا جو، جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اگرچہ اس میدان میں برج کورس نے کافی حد تک کامیابی بھی حاصل کی مگر جو چیز اس دور کے مسلمانوں سے درکار ہے اس تک پہنچنے کے لیے ابھی بھی اس بات کی حاجت ہے کہ برج کورس کے پروگرام کو وسعت دی جائے۔ اس کورس کو ایک بڑے کینوس پر لایا جائے اور اس کے لیے کئی اہم اقدامات اٹھائے جائیں۔ مثلاً مدارس کے طلباء میں برج کورس کے پیغام اور مشن کو عام کیا جائے۔ جدید وسائل کی مدد سے انھیں مدارس کے اندر ہی برج کورس کی افادیت واہمیت سے پوری واقفیت حاصل کرائی جائے۔ اگر ایسا ہو تو بہت ممکن ہے کہ طلباء برج کورس میں داخلہ لینے سے پہلے عصری علوم سے متعارف ہو جائیں اور مدرسہ میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے بھی ایسی کتابوں کا مطالعہ کریں جو ایک طے شدہ مستقبل میں ان کے لیے مفید وکارآمد ثابت ہوں''۔

احمد الحق

''میرا داخلہ برج کورس میں جب ہوا تو میرے اندر سوچنے اور سمجھنے کی قوت نہیں تھی کہ میں عالم اسلام کے مسائل کے بارے میں سوچوں اور سمجھوں۔ لیکن جب یہاں میں نے اپنی تعلیم کا مستقل آغاز کیا تو مجھے دنیا اور دنیا کے مذاہب کے بارے میں علم ہوا کہ آخر جس طرح آج دنیا میں اسلام کے اندر تمام طرح کے فرقوں نے جنم لے لیا ہے اسی طرح آج دنیا کے دوسرے مذاہب میں بھی طرح طرح کے فرقوں نے جنم لے لیا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے کہ آج اسلام کے اندر فرقے بن گئے ہیں۔ آخر کہیں تو کوئی گڑبڑ ہے۔ اور جب ہم نے اس موضوع پر غور وخوض کیا تو ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ ہم صرف اپنے ہی مذہب یا فرقہ کے بارے میں پڑھتے ہیں اور دوسرے مذاہب یا فرقہ کے لوگ بھی اسی condition پر ہیں اور جیسا کہ میں سوچتا ہوں کہ یہی وجوہات ہیں جن کی بنا پر ہم ایک

دوسرے کی دشمنی پر آمادہ ہیں اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے میں لگے ہوئے ہیں۔ جس کا بھرپور فائدہ آج دنیا کے دوسرے مذاہب پوری طرح سے اٹھا رہے ہیں۔ کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ اگر دنیا میں اسلام کے ماننے والے ایک ہو گئے تو وہ ہم سے اس دنیا کی قیادت چھین لیں گے۔ اسی لیے آج وہ ہم کو ٹکڑوں میں تقسیم ہوتا دیکھنا چاہتے ہیں اور آج دنیا میں یہی ہو بھی رہا ہے کہ آج غیر ہماری قیادت کر رہے ہیں اور ہماری پوری قوم تماشائی بنی دیکھ رہی ہے اور وہ جو آج اسلام کے پیشوا کہے جاتے ہیں وہ بھی تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ آخر وہ کیوں خاموش ہیں تو مجھے ان کا جواب اس طور پر ملتا ہے کہ آخر وہ کیسے لڑ سکتے ہیں؟ کیونکہ آج مذہب اسلام فرقوں میں تقسیم ہو چکا ہے اور جس قوم میں اتحاد و اتفاق نہیں ہوگا وہ قوم کبھی دنیا کی قیادت نہیں کر سکتی اور یہی سچ بھی ہے کہ آج وہ ہم سے کم تعداد میں ہونے کے باوجود ہم پر بادشاہت کر رہے ہیں۔ لہٰذا آج ہم کہہ سکتے ہیں اور یہ حقیقت پر مبنی بھی ہے کہ یہ عالمی پیمانہ پر سوچ اور سمجھ کا منبع مجھے صرف اور صرف Bridge Course سے حاصل ہوا۔ کیونکہ اس سے پہلے مدرسہ کی زندگی میں ان سب سوچوں سے میرا ذہن بالکل خالی تھا۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آج مجھ میں دنیا اور عالمِ اسلام کے بارے میں سوچنے اور سمجھنے کی کچھ حد تک صلاحیت پیدا ہوئی ہے۔ میں اس کی کوشش کروں گا کہ میں اتحاد امت کے مشن پر آگے بھی گامزن رہوں۔ برج کورس میں داخلہ لینے کے بعد مجھے سمجھ میں آیا کہ چند مہینوں کے اندر میں نے کافی چیزیں حاصل کر لی ہیں جیسے انگلش بولنا، سمجھنا، لکھنا سائنس وغیرہ۔ اور لوگوں کے درمیان اپنی بات کو رکھنا اور ان کو سمجھانا۔ یہ سب چیزیں میں نے کافی قلیل وقت میں حاصل کر لی ہیں اور میں اپنے خواب کی تعبیر کی تلاش میں لگا ہوا ہوں کہ آگے کے مراحل کس طرح طے کرنے ہیں۔ میری سوچ صرف B.U.M.S. تک ہی محدود تھی اس سے آگے میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کورس کے علاوہ میں کسی دوسرے کورس میں داخلہ لے سکوں گا۔ یہاں آنے کے بعد میری زندگی کے راستے کھل گئے اور مجھے ایسے لائق و فائق اساتذہ ملے جو ہمیشہ میرے خوابوں کی تعبیر میں رنگ بھرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ برج کورس میرے لیے Turning Point تھا وہ اس معنی میں کہ جب میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں اس کورس کے ذریعہ جب دنیا کے مختلف کورسوں میں داخلہ لے سکتا ہوں تو کیوں نہ میں اس کورس سے فائدہ اٹھاؤں۔

ایاز احمد

برج کورس کی پڑھائی کے دوران میں نے محسوس کیا کہ میں نے بہت کچھ معلومات حاصل کر لیں اور اس قلیل مدت میں کچھ حد تک انگریزی سیکھ لی ہے۔ یہاں ایک اور بات دیکھنے کو ملی کہ یہاں کے لوگوں میں وسعتِ قلبی پائی جاتی ہے تاکہ تبادلۂ خیال کا سلسلہ جاری و ساری رہے۔ ایک دوسرے کی بات سننا پھر اپنے مطابق اس کا جواب دینا یہ ایک اچھا سلسلہ ہے۔ کبھی میں سوچا کرتا تھا کہ لوگ ایک دوسرے کی بات سنیں اور پھر اپنا موقف رکھیں تاکہ حق تک پہنچا جا سکے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی برج کورس کا آغاز بھی ہے اور جو میری جستجو تھی (انگریزی زبان پر عبور اور وسعتِ نظری) وہ برج کورس نے دی ہے جس کے ذریعے میں اپنی منزل تک آسانی سے پہنچ سکتا ہوں۔ برج کورس میرے خوابوں کی تعبیر ہے جس کی تلاش میں کتنی خاک چھاننی پڑی پھر جا کر کہیں میں اپنی منزل پر پہنچا۔ جہاں کی دنیا ایک عجیب ہی منظر پیش کر رہی تھی۔ شروع میں حیرانی ہوئی کہ یہ کس طرح کی باتیں ہیں جہاں افکار و نظریات کا ایک سنگم ہے۔

سب کو اپنی سب باتیں سننے اور کہنے کا پورا حق حاصل ہے۔لیکن جب میں نے اپنے ماضی کو یاد کیا تو کچھ باتیں ابھر کر سامنے آئیں۔ کیونکہ لوگوں کو دوسروں کی کتاب پڑھنے سے روکا جاتا ہے۔ہم تو خود اتنے پڑھے لکھے ہو گئے ہیں کہ صحیح اور برے کی تمیز کر سکیں۔ وسعتِ ذہنی کی باتیں برج کورس میں دیکھنے کوملیں جہاں تمام بندشیں توڑ کر اخوت ومحبت کا پیغام ملتا ہے اور وسعتِ قلبی کی گنجائش ہوتی ہے جس سے ہم حق و باطل کو پرکھ سکیں۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جو لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب لاسکتا ہے اور جو مسلمانوں میں باہمی خانہ جنگی ہے وہ دور ہوسکتی ہے۔ برج کورس میں داخلہ لے کر آخرکار ہم نے اپنی منزل کو پا ہی لیا جس کی تلاش مدتوں سے جاری تھی''۔

محمد فیضان رضا

''میں نے یونیورسٹی کے ایک سالہ جدید کورس برج کورس میں داخلہ لیا تو مجھے محسوس ہوا کہ میں نے ایک نئی دنیا میں قدم رکھا ہے اور میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ یونیورسٹی میں جو علوم پڑھائے جاتے ہیں وہ علومِ دنیا نہیں بلکہ علومِ دین ہی ہیں بس ان کے استعمال کا فرق ہے۔ برج کورس کا میری زندگی میں ایک اہم کردار ہے۔ برج کورس سے پہلے تلاشِ حق میں الجھے ہوئے تھے لیکن برج کورس میں آنے کے بعد ڈائریکٹر سر نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو عقل وخرد سے نوازا ہے اور کلام پاک دیا ہے تو ہم اپنی عقل کے ذریعے حق کو پہچان سکتے ہیں اس میں کسی مفتی یا شیخ کی ضرورت نہیں ہے۔ برج کورس میں ہمیں تمام علوم سے روشناس کرایا گیا اور انگریزی زبان لکھنے، پڑھنے، بولنے، سننے اور سامعین کو متاثر کرنے کا ہنر اور سوچنے کا ملکہ پیدا کیا گیا جس کی وجہ سے میں اپنے اندر کافی تبدیلی محسوس کر رہا ہوں اور یہ ہمارے لیے مشعلِ راہ نظر آتی ہیں۔ہم شکرگزار ہیں اپنے تمام اساتذہ کے کہ جس وقت ہم کو کسی کی انگلی پکڑ کر چلنے کی ضرورت تھی اس وقت ہمارے اساتذہ نے ہمارا ساتھ دیا اور ایسی نصیحتیں کیں جن کی وجہ سے میرے اندر تبدیلی رونما ہوئی اور یہی ہماری کامیابی کی ضمانت ہے۔ اللہ تعالیٰ برج کورس، اس کے تمام اساتذہ کو نظرِ بد سے بچائے اور اس کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، آمین!

محمد زبیر

میری زندگی میں ایک Turning Point اس وقت آیا جب 2013ء میں ندوہ سے فراغت کے بعد میرے ذہن ودماغ نے یہ تسلیم نہیں کیا کہ ہم صرف عالم اور وہ بھی کچا عالم بن کر حق کی اپنی جستجو میں کامیاب ہو جائیں۔اس کے لیے تمام فرقوں اور مسلکوں کا مطالعہ درکار ہے۔ ابھی اس کشمکش کے دور سے گزر رہا تھا کہ ساتھیوں کے بیچ میں برج کورس کا نام آیا اور میں داخلۂ امتحان کے مراحل سے گزر کر برج کورس کا طالب علم بن گیا اور خوشی خوشی کلاس کرتا رہا۔ دو تین ماہ ہی میں مجھے ایسا احساس ہوا کہ دماغ کا کوئی خانہ ہے جو بڑی سبک رفتاری سے پر ہو رہا ہے۔ وہ حق کی جستجو کا خانہ تھا۔ یہاں آکر یہ بات تو مسلم ہوگئی کہ یہ سارے فرقے اور مسلک کوئی ایسی چیز نہیں جو اللہ کی طرف سے ہم پر لازم کیے گئے ہوں بلکہ یہ ہماری اپنی گڑھی ہوئی چیز ہے اور ہم اس کو معاون کتب کی حیثیت سے تو تسلیم کر سکتے ہیں عقائد کے طور پر نہیں۔خواہ وہ ابوحنیفہ ہوں، شافعی ہوں، احمد رضا خاں ہو یا اسمٰعیلی اور اباضی ہوں۔ یہ اپنی صلاحیت علمی کی بنا پر عوام الناس میں احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ہم بھی دیکھتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہم بھی یہودیوں اور

عیسائیوں کی طرح افراط کا شکار ہوکر ان کے قیل وقال کو وہ درجہ اور مقام دے دیں جو کسی نبی کی شایانِ شان ہے۔اس منفرد سوچ کا کریڈٹ میرے حساب سے پورے برج کورس کو نہیں بلکہ صرف ڈائریکٹر راشد شاز کو جاتا ہے جو خود بھی ایک بین الاقوامی سطح کے مفکر ہیں اور وہ بھی حق کی جستجو کی راہ میں ہمارے ہمراہ ہیں اور ہمیں Guide کر رہے ہیں''۔

ابرار عالم

''برج کورس میرے خیال سے متحد ہونے اور اسلام کے ماننے والوں کے لیے ایک بہترین پلیٹ فارم ثابت ہوسکتا ہے۔ کیونکہ یہاں مختلف مکاتب فکر کے طلبہ باہم شیر وشکر ہوکر ساتھ رہتے ہیں اور وہ اتحاد واتفاق کی ایک زندہ مثال ثابت ہورہے ہیں۔ آج مسلمان مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ہر فرقہ اپنے آپ کو حق پر بتاتا ہے ایسے میں نوجوان ذہنوں میں شکوک کا پیدا ہونا فطری امر ہے۔کیونکہ وہ سوچنے پر مجبور ہے کہ جب خدا اور رسول ایک ہے خدا کا پیغام ایک ہے تو پھر امت فرقوں میں کیوں تقسیم ہے؟ اور ہر فرقہ اپنے کو حق پر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ تضاد کیوں؟ کیا یہ اختلافات کبھی ختم نہیں ہوں گے؟ کیا یہ دائمی ہیں؟ نوجوانوں کے اسی ذہنی خلفشار کو دور کرنے کے لیے برج کورس پوری طرح کوشاں ہے، کیونکہ ہر کوئی اتحاد کا نعرہ لگاتا ہے لیکن آگے بڑھ کر اتحاد کرنے کی ہمت کوئی نہیں دکھاتا۔ایسی حالت میں برج کورس کے ذریعے یہ خوش آئند قدم اٹھایا گیا ہے کہ وہ تمام مکاتب فکر کے لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرے تا کہ بوہ باہمی اختلافات کو بھلا کر ایک نئے معاشرے کی تشکیل کرسکیں اور مختلف فرقوں اور گروہوں میں نہ بٹ کر ایک خدا کے ماننے والے اور اپنے آپ کو اسلام کے جھنڈے کے نیچے جمع کرسکیں۔تا کہ ایک بار پھر اسلامی پرچم پورے عالم پر لہرا سکے''۔

محمد رضوان اللہ

''خدا کا شکر ہے کہ اس وقت میں ایک ایسے مقام پر ہوں جس کے بارے میں مجھے وہم وگمان بھی نہ تھا۔ایک وقت وہ تھا جب میں صرف قرآن وحدیث اور فقہ وتفسیر سے آشنا تھا۔لیکن اس وقت مجھے نہ صرف مذکورہ بلکہ عصرِ حاضر کے لیے جن علوم کا حاصل کرنا ضروری ہے اور جن کو طلبائے مدارسِ اسلامیہ نے حاصل کرنا چھوڑ دیا ہے، جس کی وجہ سے وہ ہر جگہ اپنے آپ کو احساسِ کمتری، کم مائیگی وبے بضاعتی کے عالم میں گھرا ہوا محسوس کرتے ہیں، اس سے بہت حد تک آگہی وآشنائی ہوگئی ہے۔اس کے لیے میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے جدید اقدام یعنی برج کورس کا بے حد ممنون ومشکور ہوں کہ اس کورس نے جدید اور سائنسی علوم سے واقفیت اور قدامت پرستی کی دبیز چادر کو چاک کرنے میں ایک اہم رول ادا کیا۔یہاں آنے سے پہلے میں ہندوستان کے قوانین وضوابط، شہریت کے حقوق اور صوبائی وملکی نظام سے ناآشنا تھا۔اسی طرح سرزمینِ ہند اور ہندوستان کی قدیم سلطنتوں کی تاریخ سے حد درجہ ناواقفیت تھی۔لیکن برج کورس میں داخلہ کے بعد مندرجہ بالا علوم سے واقفیت کے ساتھ ساتھ دینی اور دنیوی امور میں سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوا۔برج کورس نے مجھے سکھایا کہ میں کس طرح اسلام کی آفاقیت کو کشادہ ذہنی اور کشادہ قلبی کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کروں اور پھر اس طرح سے غور وفکر کرنے اور ناقدانہ نگاہ ڈالنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ کس طرح مسلکی اور مشربی اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اسلام کی آفاقیت کا پیغام پوری دنیا تک پہنچایا جاسکے اور تمام مسلمانوں کو اتحاد واتفاق کی ایک لڑی میں پرویا جاسکے''۔

عبدالرحیم

''دینی تعلیم سے فراغت کے بعد میرے سامنے ایک بڑا چیلنج تھا کہ اب کیا کروں؟ چنانچہ پھر یہ فیصلہ کیا کہ اب اعلیٰ تعلیم کے لیے عصری دانش گاہ کی طرف رخ کروں۔ اس کے لیے کئی فارم بھرے جن میں ایک فارم برج کورس کے لیے بھی تھا۔ تمام کارروائیوں کے بعد میرا داخلہ برج کورس میں ہوگیا۔ آج جب کہ میں اس کورس کے آخری مرحلہ میں ہوں، میں اس اعتراف کے ساتھ کہ میں نے یہاں پانچ چھ ماہ کی مدت میں جو کچھ حاصل کیا وہ میرے لیے جدید بھی تھا اور قدیم بھی، لیکن وہ قیمتی سرمایہ میری زندگی میں ایک انقلاب کی حیثیت رکھتا ہے جسے میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ وہ کسی بھی چیز کو دیکھنے، سمجھنے اور برتنے کا ایک نیا طرز و انداز تھا۔ زندگی کا ایک ڈھانچہ غور و فکر کا ایک منہج تحقیق و تفتیش کا ایکا نوکھا انداز تھا۔ ایک طرف جہاں میں نے اس کورس سے وہ پلیٹ فارم حاصل کیا جس سے مختلف شعبوں کے دروازے میرے لیے کھل گئے تو دوسری طرف وہ قیمتی سرمایہ ہاتھ لگا جس کی مکمل وضاحت ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ میرے لیے یہ کورس ایک متنوع ہمہ رنگ و ہمہ جہت ترقی کا ایک نیا باب ثابت ہوا جس کے لیے میں سب سے پہلے اللہ کا شکر گزار ہوں جس نے مجھے یہ قیمتی موقع عنایت فرمایا اور پھر اس کورس سے متعلق ان تمام افراد کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی جاں فشانیوں سے اس کا وجود ہوا''۔

نعیم اختر

''میں نہیں جانتا تھا کہ جغرافیہ کیا ہے، سیاست کیا ہے۔ میری انگلش بھی کافی کمزور تھی۔ لیکن مختصراً یہ کہ یہاں میری رائٹنگ اسکل اور اسپیکنگ اسکل میں کافی اصلاح ہوئی۔ اس کے علاوہ میں نے ریاضی اور کمپیوٹر کی بنیادی معلومات حاصل کیں۔ مزید آں ہمیں یہاں پر انٹرافیٹھ ڈی بیٹ میں حصہ لینے کا موقع ملا جس کا مقصد یہ تھا کہ جو کچھ بھی ہم نے مدرسہ میں حاصل کیا یعنی ماضی میں ہم نے جو بھی تعلیم پائی ہے اس کو باقی رکھ سکیں۔ تاکہ ہم ماضی سے سبق لے کر حال کا سامنا کرتے ہوئے مستقبل کے لیے پوری طرح تیار رہیں۔ مذاکرۂ سبت (Saturday Debate) کا مقصد یہ ہے کہ ہم سب فرقہ بندیوں سے اوپر اٹھ کر سوچیں اور قوم و ملت کی فلاح و بہبود کی تیاری کریں۔ اسی مذاکرۂ علمی نے میرے اندر اتنی قوت و صلاحیت پیدا کردی کہ اب میں کسی کی بات کو بغیر ثبوت و دلیل کے قبول کرنے والا نہیں ہوں۔ حالانکہ اس سے پہلے جب میں مدرسے میں زیر تعلیم تھا تو مجھ کو روایتی طور پر ایک محدود دائرے میں رہ کر سوچنا پڑتا تھا۔ کیونکہ مدرسے میں ہماری ذہن سازی کچھ اس طرح سے کی گئی تھی کہ ہم ہر بات کو سمجھ کر برتنے کے بجائے برت کر سمجھنے کے قائل تھے۔ ان حالات نے میری عقل کو مکمل طریقے سے بند اور منجمد کر رکھا تھا۔ جہاں اساتذہ اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ زیادہ سوالات مت کیا کرو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ نیز امتحان کی کاپیوں پر ہو بہو کتاب اور ان کے پڑھائے ہوئے طریقے کے مطابق لفظ بلفظ ہونا چاہیے۔ جہاں قرآن و حدیث کی پوری گھنٹیاں صرف یہ بتانے میں گزر جاتی تھیں کہ فلاں امام یا فلاں محدث یا فلاں فقیہ کا اس مسئلے میں کیا کہنا ہے۔ فقیہوں اور اماموں کے اقوال جہاں قول نبی پر غالب آجاتے تھے اور ہمیں یہ نہیں پتہ چلتا تھا کہ کسی مسئلے کے بارے میں نبی نے کیا کہا ہے یا ان کا طریقہ کار کیا رہا ہے۔ دراصل میں مدرسہ کا مخالف نہیں ہوں بلکہ اس طرز تعلیم کا مخالف ہوں جو وہاں رائج ہے''۔

محمد عکاشہ

''برج کورس کا آغاز طلبائے مدارس کی ان پوشیدہ وخوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر و بیدار کرنے کے لیے ہوا جو عموماً مدارس کے احاطے میں کھل کر سامنے نہیں آپاتیں۔ ندوۃ العلماء میں نو سالہ سفر عالمیت کے دوران جو حاصل کیا اس کو مختصر لفظوں میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ فراغت تک ہم ایک محدود سوچ کے حامل تھے۔ یعنی مستقبل کی منصوبہ بندی (Future Planing) کا کوئی تصور نہیں تھا۔ ہم بھی عام طلباء کی طرح فراغت کے بعد کسی مسجد میں امامت اور کسی مدرسہ میں درس وتدریس کو ہی حاصل زندگی خیال کرتے تھے۔ لیکن جب ہم نے یونیورسٹی کا رخ کیا برج کورس میں داخلہ لیا اور چند مہینے یہاں گزارے تو احساس ہوا کہ ہمارے خیالوں سے ماورا بھی ایک وسیع وعریض دنیا بستی ہے۔ تفسیر قرآن وحدیث نبوی اور فقہی مسائل میں عمر عزیز کا ایک وافر حصہ گزارنے والے اس طالب علم کو بھی کمپیوٹر انگلش، ریزننگ، ریاضی اور سوشل سائنس جیسے علوم پڑھنے کو ملے تو اسے ان فنون میں دلچسپی پیدا ہوگئی۔ گو کہ انگلش اور کمپیوٹر سے پہلے ہی کسی حد تک واقفیت تھی مگر یہاں آ کر زبان میں جو نیرنگی دیکھی اس سے اور پڑھانے والوں کی زبان وفن پر گہری نظر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ برج کورس کا سب سے بڑا فائدہ جو مجھے محسوس ہوا اسے بجا طور پر یوں بیان کرنا چاہوں گا کہ اس کورس نے محض محض چھ ماہ کے مختصر عرصہ میں انگریزی، کمپیوٹر اور ریاضی پر میری پکڑ نہ صرف مضبوط کرائی بلکہ ان سب سے بڑھ کر میری سوچ کو ایک نیا افق دیا اور میرے پرِ پرواز کو مزید توانائی بخشتے ہوئے اڑنے کے لیے ایک نیا آسمان تیار کیا''۔

محمد مشاہد رضا

''اس کورس سے ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اب بی۔ اے کے کسی بھی سبجکٹ میں داخلہ لیا جا سکتا ہے اور دوسرا فائدہ اس سے کہیں زیادہ نظر آتا ہے کہ اس کورس کے ذریعے سے بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی خاص کر، سوشل سائنس اور بی۔ ایس۔ ڈبلو میں بھی ایڈمیشن لے سکتے ہیں۔ کیونکہ آج انصاف پرور وکیل بہت مشکل سے نظر آتے ہیں۔ پھر پی۔ سی۔ ایس۔ جے وغیرہ نکال کر اچھے جج کی صورت میں عوام کے سامنے اپنے آپ کو پیش کر سکتے ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کا ازالہ تو ہو ہی سکتا ہے، ساتھ ہی اسلام کی خدمت بھی ہو سکتی۔ اور ایک فائدہ خاص کر یہ ہے کہ اب ہم انگلش میں کچھ لکھ بھی سکتے ہیں اور سمجھ بھی سکتے ہیں اور conceptual writing, public-speaking اور critical-thinking کا طریقہ پوری دنیا میں مشکل سے چند ہی جگہوں پر سکھایا جاتا ہے۔ اس کورس کا یہ بہت ہی امتیازی حصہ ہے۔ میرے خیال سے برج کورس مدارس کے طلبہ کے لیے بہت ہی بڑی نعمت ہے''۔

محمد تمیم

''برج کورس میں جب تعلیمی سال کا آغاز ہوا تو کلاس میں پہلے ہی دن تعارف کے بعد پتہ چلا کہ یہاں ہر مکاتب فکر کے طلبہ ہیں۔ چنانچہ شروع میں اپنی دس سالہ تعلیم کی وجہ سے یہ ارادہ کر لیا کہ کسی سے لڑائی جھگڑا اور بحث ومباحثہ نہیں کرنا ہے۔ اسی لیے میں کلاس میں سب سے پچھلی صف میں بیٹھا رہتا اور جب تک کوئی استاد براہِ راست مجھ سے مخاطب نہ ہوتے اپنی زبان کو کبھی جنبش نہ دیتا۔ جب کہ دیگر طلبہ سوال و جواب میں حصہ لیا کرتے تھے۔ کیونکہ میں جس تعلیمی نظام سے نکل کر آیا تھا وہاں اسے گستاخی سمجھا جاتا

تھا۔ جس کی وجہ سے اول سوچنے سمجھنے اور کسی سوال کے ذہن میں آنے کا دروازہ بند ہو چکا تھا اور اگر کوئی سوال ذہن کے کسی خانے میں ابھرتا بھی تو وہیں دب کر رہ جاتا۔ سوال پوچھنے کا خیال تک نہ آتا تھا۔ چنانچہ یہی طلسم کئی ہفتوں تک قائم رہا۔ یہاں آنے سے پہلے میں انگریزی زبان وادب کے ابتدائی قواعد سے ہلکی پھلکی شد بد رکھتا تھا جس سے برج کورس کے امتحانِ داخلہ میں کافی مدد ملی۔ مگر اب جب کہ برج کورس میں میں نے تقریباً پانچ ماہ گزار لیے ہیں انگریزی زبان وادب پر اس قدر قدرت ہوگئی ہے کہ جس کی توقع انگریزی زبان وادب پر دوسال صرف کرنے کے بعد بھی میں نہیں کرسکتا۔ اب میں بلا جھجک انگریزی میں اپنے مافی الضمیر کو ادا کرسکتا ہوں اور زندگی کے ہر پہلو پر برجستہ انگلش میں بہت کچھ بولنے کی لیاقت مجھ میں آگئی ہے۔ برج کورس صرف ایک علمی درسگاہ ہی نہیں بلکہ مثالی تربیت گاہ بھی ہے۔ برج کورس ابتدائی دنوں سے ہی اپنے طلبہ کی اس طرح تربیت کرتا ہے جس سے ان کی ذہنی سطح اور فکر وعمل کا دائرہ وسیع تر اور پرواز بلند ہوتی جائے۔ برج کورس میں ہمیں ایک صحت منداور خوشگوار ماحول ملا۔ برج کورس انتظامیہ اپنے طلبہ کی تعلیم و تربیت اور مستقبل کے سلسلے میں کافی متفکر اور متحرک وفعال نظر آتی ہے''۔

محمد اسمٰعیل

''برج کورس سے ہم طلبہ کو بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ جہاں ہم نے برج کورس میں انگریزی، ریاضی، سائنس سیکھی وہیں ایک اور علم سے ہمیں متعارف کروایا گیا جس کو ہم Critical Thinking کہہ سکتے ہیں۔ یہ Thinking ہمیں ہمارے ڈائریکٹر پروفیسر راشد شاز صاحب نے دی۔ صبح کی کلاس میں ایک گھنٹی راشد شاز صاحب کی بھی تھی جس میں ہمیں وہ یہ بتاتے تھے کہ آج مسلمان کن حالات سے دوچار ہورہے ہیں۔ دنیا میں کیا ہورہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتاتے تھے کہ اپنے آباواجداد کے ورثہ کو لے کر بیٹھ جانا ہی سب کچھ نہیں ہے۔ اصل علم تو وہ ہے جو تم خود حاصل کرو۔ وہ ہمیشہ سے یہی چاہتے تھے کہ کسی طرح امتِ مسلمہ کا شیرازہ بکھرنے نہ پائے اور مسلم آپس میں متحد ہو جائیں۔ اسی لیے انھوں نے ایک کانفرنس بھی منعقد کی جس میں طرح طرح کی آراء سامنے آئیں کہ کس طرح مسلمان متحد ہوسکتے ہیں۔ برج کورس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے ہم طلبہ مدارس کے لیے عصری تعلیم حاصل کرنے کے لیے ایک دروازہ کھول دیا۔ ڈائریکٹر صاحب نے جو ہمیں Thinking دی وہ بہت ہی قابلِ تعریف ہے۔ اسی کی وجہ سے آج ہم ایک دوسرے سے الفت ومحبت کرتے ہیں۔ ڈائریکٹر راشد شاز صاحب کی شخصیت خلوص، دیانت اور امانت کا مرقع ہے۔ ان کی آنکھوں میں عقاب کی تیز نگاہی ہے اور دل میں جذبات کی طغیانی۔ اسلام پر ان کا اصل ایمان ہی نہیں بلکہ عملی زندگی میں بھی وہ مسلمانوں کے بڑے خیرخواہ ہیں۔ اسلام کے بعد ان کا جز ایمان مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنا تھا۔ انھوں نے اپنی زندگی کا بہت قیمتی وقت ہم طلبہ کی زندگی سنوارنے میں لگا دیا جس کو ہم طلبہ برج کورس کبھی فراموش نہیں کرسکتے''۔

نعیم احمد

''برج کورس ایسی درس گاہ ہے جہاں ماضی قریب کی کھوئی ہوئی قیادت، سربراہی اور نئے علوم کی ایجادات کا مزاج جو ہم تقریباً کھو چکے ہیں، پانے میں مدد کرتا ہے۔ یہ تمام چیزیں مستقبل قریب میں ہمیں واپس دلاسکتا ہے۔ یہ درس گاہ صرف علمی درس گاہ ہی نہیں

ہے بلکہ مستقبل قریب میں ہم طلبہ کے سروں پر عزت کے وہ تاج پہنانے کی درس گاہ ہے جو ہم چند وجوہات کی بنیاد پر کھو چکے ہیں۔ آیئے ہم سب مل کر اس عظیم درس گاہ کے لیے ہر طرح کے فکری، عملی تعاون میں حصہ لیں اور اللہ رب العزت سے دعا کریں کہ اس قافلہ کے لوگوں کو وہی عزت بخش دیجیے جو ہم اپنی غفلت کی وجہ سے کھو چکے ہیں‘‘۔

محمد ارشد

’’برج کورس میں میرا علمی سفر شروع ہونے سے قبل میں سوچا کرتا تھا کہ کسی سرکاری ملازمت کا حاصل کر لینا، کسی اسکول میں ٹیچر بن جانا کسی مدرسے میں مہتمم کے عہدے پر فائز ہو جانا کافی ہے۔ اس سے آگے تک ذہن کی رسائی بھی نہیں تھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ بس دنیا یہی ہے۔ لیکن جب اس علمی سفر پر نکلا، اساتذہ کرام کی باتیں سنیں، مختلف جگہوں سے تشریف لائے مہمانوں سے ان کے تجربات سنے، یونیورسٹی میں یہ گہما گہمی کا عالم اور لوگوں کی سرگرمیاں دیکھیں، مختلف پروگراموں میں شرکت کا موقع ملا تو پتہ چلا کہ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہے۔ اب میں آگے بڑھنا چاہتا ہوں اور اس علمی سفر پر بہت دور تک جانا چاہتا ہوں‘‘۔

فاطمہ اسعد

’’میں نے اپنے اس برج کورس کے سفر میں ایک بات جانی ہے کہ علم ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے آگے بڑے بڑے ہار مان گئے ہیں اور اس کے ذریعے انسان پوری دنیا پر حکومت کر سکتا ہے اور علم خریدا نہیں جا سکتا۔ لوگ بڑی عزت کرتے ہیں اور سب سے اہم بات یہ کہ کسی بھی چیز کو جاننے کے لیے اس کی زبان کو جاننا نہایت ضروری ہے: ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے، بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا‘‘۔

عتیق الرحمٰن

’’برج کورس میں پہلی مرتبہ میری نشست و برخاست ایسے لوگوں کے ساتھ ہوئی جن سے میں نفرت تو نہیں کراہت ضرور محسوس کرتا تھا۔ اس سے پہلے کی صورتِ حال کچھ یوں تھی کہ میرے سامنے جب کبھی اپنے مسلک کے علاوہ دوسرے مسالک کا تذکرہ ہوتا تھا تو فوراً یہ بات میرے ذہن میں گردش کرنے لگتی تھی کہ اصل حاملین لوائے اسلام ہم ہی ہیں اور بقیہ مکاتب فکر کے حاملین صراطِ مستقیم سے بھٹکے ہوئے گمراہ لوگ ہیں اور اسی لیے میں ان کے قریب جانے اور ان سے کسی طرح کی گفت و شنید کرنے سے حتی الامکان گریز و اجتناب کیا کرتا تھا۔ یہ بات مجھے برج کورس کے منفرد ماحول نے سکھائی کہ میں ابھی تک مسلک کا پیروکار رہا، اسلام کا نہیں۔ کیونکہ اسلام کبھی مسلکی نہیں رہا ہے اور نہ ہی مسلمان کبھی حنفی، دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سنی یا سلفی رہا ہے۔ برج کورس میں ابتداءً کچھ دنوں تک ایک دوسرے کو کنکھیوں سے دیکھنے کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن اس کے بعد میں رفتہ رفتہ ان کے قریب ہوتا گیا۔ ان کے آراء و خیالات سے واقفیت حاصل کی۔ یہاں تک کہ بروز شنبہ منعقد ہونے والے مباحثوں سے میرے اور ان کے درمیان ایک مہذب، مدلل اور صحت مند افہام و تفہیم کی فضا قائم ہوگئی اور اجتناب و گریز کی کراہت کی اس کیفیت کا خاتمہ ہو گیا جو اس سے پہلے میں اپنے اندر محسوس کرتا تھا۔ دوسری سب سے اہم چیز جو برج کورس کے ذریعے مجھے حاصل ہوئی وہ تنقیدی منہج، فکری اور تحقیقی تجسس ہے۔ یہاں آ کر میں

نے پہلی مرتبہ کسی چیز کے متعلق اپنی رائے اور اپنے نقطۂ نظر کی تشکیل کی۔ مجھے پہلی مرتبہ اس بات کا ادراک ہوا کہ ہم میں سے کوئی بھی شخص شیخ الکل نہیں ہوسکتا اور نہ ہی ہم میں سے کسی کی بات کسی شے کے متعلق حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے''۔

فرخ لودی

''یہاں آ کر ہمیں محسوس ہوا کہ علم دین کے سلسلے میں اختلاف کی وجہ اکابرین کی محدود سوچ ہے اور اس میں تشدد پسندی کا اہم کردار ہے۔ یہاں آ کر ہماری سوچ شخصیت پسندی اور تقدس سے گریز کرنے لگی۔ کیونکہ جہاں یہ دونوں چیزیں ہوں گی وہاں علم کا ارتقاء ممکن نہیں اور ڈاکٹر راشد شاز صاحب ایک علمی شخصیت ہیں۔ علمی میدان میں ان کی تحریریں اہل علم کو سوچنے پر مجبور کرتی ہیں۔ ان سے رابطے کے لیے یا گفتگو اور ملاقات کے لیے کوئی بندش نہیں۔ جیسا کہ عام اہلِ علم کی مجلسوں میں ہوتا ہے۔ ان کی اس انکساری اور بے تکلفی نے مجھے متاثر کیا۔ اس شعبے میں جناب کے جتنے بھی خطبات ہوئے ان میں موقع دیا ہم طلباء کو اپنی رائے اور سوچ کو ظاہر کرنے کا اور بہت سے اہم مسائل پر اپنی رائے کو حرف اخیر سمجھ کر ہم طلباء پر مسلط کرنے کے بجائے پروگرام منعقد کیے اور اس میں ہر کسی کو اپنی بات رکھنے کا موقع دیا اور ساتھ ہی یہ اختیار بھی دیا کہ اگر کوئی میری سوچ کے خلاف اپنی بات رکھنا چاہتا ہے تو وہ رکھ سکتا ہے۔ یہ چیز میرے لیے نئی اور متاثر کرنے والی تھی۔ یہاں ہم کو جناب نے ایسی ایسی شخصیات سے ملوایا اور گفتگو کا موقع دیا جن کو ہم صرف نیوز چینلز یا نیوز پیپرس پر ہی دیکھ سکتے تھے۔ یہاں پر امت کی شیرازہ بندی کو بکھرنے سے روکنے اور اختلافات کو ختم کرنے کے لیے کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں مختلف مذاہب اور مختلف خیال کے لوگوں کو ایک ساتھ جمع کیا گیا اور اس بات کی کوشش کی گئی کہ بات چیت کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے۔ پرتشدد تقاریر سے بچا جائے اور جو ایسا کرے اس کی مخالفت کی جائے اور مذہب کے نام پر سیاست کرنے والوں کو روکا جائے''۔

''یہاں آنے کے بعد اس بات کا احساس ہوا اور ساتھ ساتھ افسوس بھی ہوا کہ کسی شخص کو سماحۃ الشیخ، حضرت، پیر جیسے القاب سے ملقب کر کے ان کی باتوں کو حرف آخر سمجھ کر کس طرح تدبر اور تفکر کے تمام دروازوں کو بند کیا جا رہا تھا جو کہ ہمیں تیزی سے تاریکی کی طرف ڈھکیل رہی تھی۔ اسلام نے بہتر سے بہتر زندگی گزارنے کو کہا ہے، تجارت کے مواقع فراہم کیے ہیں، تحقیق و تدبر کے دروازوں کو کھول رکھا ہے، دینی اور دنیوی معاملات کو ایک ساتھ چلنے کو کہا ہے، ہمارے لیے اس سلسلے میں وہ ذات نمونہ ہے جو بیک وقت تاجر بھی تھی اور مبلغ بھی یعنی آپ ؐ کی ذات۔ برج کورس کے ماحول نے اس بات کا احساس دلایا کہ علم کی دینی اور دنیوی تفریق اسلام مخالف عمل ہوگا اور نعمت کی ناقدری ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس نعمت کو چھین لیتا ہے جو اس کی ناقدری کرتا ہے۔ آج مسلمانوں کی صورتِ حال جو کسی سے چھپی نہیں اس کی بنیادی وجوہات میں دینی و دنیوی علوم میں تفریق پیدا کرتا ہے''۔

ابرار عادل

''یہاں آ کر ایک نئی سوچ اور تحقیق و تفکر کا مزاج بنا۔ خاص طور سے International Inter-faith and Intra-faith Understanding Conference۔ میرے لیے بہت ہی خوش نصیبی کی بات ہے کہ مجھ ناچیز کو ایسا موقع ملا جس میں میں نے اکثر و بیشتر

مسالک و مذاہب کے نمائندوں سے استفادہ کیا اور ہر ایک کو سمجھنے کا موقع فراہم ہوا۔طرح طرح کے مشورے سامنے آئے۔کسی نے کہا تھا قرآن کی جن آیات میں اختلافات پائے جاتے ہیں بخلوص دل ان کو سمجھنے کی کوششیں کی جائیں۔کسی نے کہا تھا کہ جتنے کنکر اتنے شنکر۔اور جب کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا ہے تو پوری دنیا میں ہلچل مچ جاتی ہے۔سب سڑکوں پر اتر آتے ہیں اور صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں۔لیکن جو سب کا پروردگار و پالن ہار ہے سب کا خالق و مالک ہے،لوگ اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں اس کو بھلا بیٹھے ہیں تو کسی کو اس کی فکر نہیں۔کسی نے مولوی ہٹاؤ مولوی ہٹاؤ کے نعرے بھی بلند کیے تھے۔یہ سارے ایسے سوالات ہیں جن سے پیچھا نہیں چھڑایا جا سکتا ہے اور میرے لیے سب سے بڑی خوش قسمتی کی بات تو یہ ہے کہ کبھی بھی ایسا سنہرا موقع ہاتھ نہیں آیا تھا کہ اس طرح کے سوال کو سامنے لایا جائے۔پھر سب مل کر اس پر غور و فکر کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کریں۔مدرسہ کے زمانہ طالب علمی میں ایسے موقع کی تلاش میں رہتا تھا۔کبھی کبھی ایک مسئلہ کو سمجھنے کے لیے ہفتوں لگ جاتے تھے۔لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تمام چیزیں یہاں مہیا تھیں''۔

فرحانہ ناز

''اس تعلیم میں اور میری (مدرسہ کی) تعلیم میں بہت فرق تھا۔کیونکہ یہاں میں Boys کے ساتھ پڑھتی۔جب میں اندر داخل ہوئی تو احمد صاحب نے کہا: اپنا رول نمبر دیکھ کر Class میں جانا اور ہم دبے دبے قدم سے Class کے باہر رول نمبر دیکھ کر اندر داخل ہوئے تو اندر ایک Teacher پڑھا رہے تھے اور کلاس دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ایک Side لڑکے تھے اور ایک Side لڑکیاں تھیں۔مجھے گھبراہٹ ہو رہی تھی اور میں اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔پھر Sir نے اپنا Introduction کرایا۔ان کا نام Ajaz تھا اور انھوں نے بتایا کہ وہ ہمیں English پڑھائیں گے۔ایسا انھوں نے بولا۔اور ان کی شرط تھی کہ کوئی میری کلاس میں اردو نہیں بولے گا۔ Total English میں بات ہوگی۔اس کے بعد English میں Introduction لیا۔میں نے بھی ڈرتے ڈرتے اپنا Introduction دیا۔میری انگریزی میں کافی غلطیاں تھیں لیکن Sir نے کہا Good اور اس جملے نے میرا حوصلہ اور بڑھایا اور کرنے اور سیکھنے کی ہمت دی۔اس پہلی کلاس کے بعد اور دوسری تیسری کلاس ہوئی۔جو مجھے بہت اچھی لگی اور میں نے کافی کچھ سیکھا''۔

اجمل حسین

''میں اگر خلاصۂ کلام کے طور پر اپنے اس ایک سالہ تجربہ کو بیان کروں تو میں بلا جھجک یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس ایک سال میں اپنے اندر اتنی تبدیلی اور ترقی دیکھی جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی اور میرے اندر زندگی جینے کی ایک نئی امید جاگی اور یہاں کے پروگرام جیسے La Madraza and Cultural Society نے میرے اندر کی تحریری و تقریری صلاحیت اور فکر و نظر میں وسعت اور تنقیدی و تحقیقی جستجو اور شخصی قابلیت کو جلا بخشی اور میں احساس کمتری کے سمندر سے نکل کر امید کی ایک نئی کشتی پر پھر سے سوار ہو گیا۔جس کا نام علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہے''۔

نہال احمد

''برج کورس میں مکمل طور پر داخلہ کے بعد شروع کے چند ہفتے میرے لیے غیر مانوس تھے۔ ہر چیز میرے لیے نئی تھی اور اس نئے ماحول میں خود کو ڈھالنا تھوڑا دشوار تھا۔ لیکن جوں جوں برج کورس کے مثبت اثرات سامنے آتے گئے ذہن ودماغ میں ایک الگ طرح کی تازگی اور سرور والی کیفیت پیدا ہوتی گئی۔ سب سے دلچسپ بات میرے لیے یہ تھی کہ یہاں انگریزی زبان وادب، تحریر وتقریر پر کافی مشق کرائی جاتی تھی اور با کمال اساتذہ ہر وقت تربیت کرنے اور بتانے کے لیے تیار رہتے تھے۔ ان کی اپنائیت، محبت وخلوص نے انگریزی زبان وادب اور تخلیق وتحریر میں ید طولیٰ حاصل کرنے کی میرے اندر ایک روح پھونک دی۔ روزانہ تین سے چار گھنٹے مسلسل انگریزی پڑھنا تھوڑا مشکل ضرور تھا۔ لیکن دیارِ مہر ووفا کے راہی بننے اور اسلامی نظامِ حیات کے ابدی سرچشمہ سے ازسرنو سیراب ہونے کے لیے تھوڑی تکلیف اٹھانا تو لازمی تھا۔ انگریزی زبان وادب کے ساتھ ساتھ برج کورس میں سوشل سائنسز مثلاً تاریخ، جغرافیہ، سیاسیات، معاشیات واقتصادیات، سماجیات اور کمپیوٹر سائنس کی تعلیم نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ کیونکہ ان مضامین کا ہماری زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ روزمرہ ہونے والے واقعات اور ان کا تاریخی تجزیہ کرنا اسی وقت ممکن ہے جب ہمارا رشتہ ان مضامین سے ہو۔ خصوصاً سیاسیات، بین الاقوامی تنظیم اور تاریخ پڑھنے کا کچھ اور ہی مزہ تھا۔ الحمدللہ ایک قلیل عرصہ میں وہ تمام بنیادی معلومات حاصل کیں۔ کمپیوٹر سائنس اور انفارمیشن ٹکنالوجی ایک ابھرا ہوا مضمون ہے اور یہ ہماری روزمرہ کی زندگی کا جزو لاینفک ہے۔ الحمدللہ ان مضامین کو پڑھانے کے لیے منتظمین برج کورس نے خصوصی طور سے اساتذہ کا اہتمام کیا۔ انھوں نے کمپیوٹر کی بنیادی تعلیم سے لے کر انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا ویب سائٹس اور دیگر ضروری معلومات فراہم کرائیں۔ اس کے علاوہ معلومات عامہ پر بھی زور دیا گیا۔ بہر حال ہمیں جتنا استفادہ کرنا چاہیے تھا وہ اگرچہ نہیں ہو سکا لیکن پھر بھی میں اس مضمون کے استاد محترم کا ممنون ومشکور ہوں گا کہ انھوں نے کمپیوٹر سائنس اور انفارمیشن ٹکنالوجی کی وہ باتیں بتائیں جو ایک مخلص، باکمال اور غیر معمولی صلاحیت کے مالک استاد ہی بتا سکتے ہیں۔ بہر حال میں یہ کہوں گا کہ دنیا کو ایک ایسی انقلابی تحریک کی ضرورت تھی جو جدید وقدیم درسگاہوں کے خلاء کو پُر کر سکے۔ اس سلسلے میں سابقہ شیخ الجامعہ لیفٹیننٹ جنرل ضمیر الدین شاہ کا تاریخی اقدام بہت اہمیت کا حامل ہے جنھوں نے برج کورس کا قیام کر کے نہ صرف ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ترقی کے دروازے کھول دیے بلکہ شام، اندلس، بغداد کی درسگاہوں کی یاد تازہ کرادی۔ امید ہے کہ برج کورس کے ماڈرن اسلامک اسکالرز کو وہ طوفان نصیب ہو جو طبیعتوں کے بحر منجمد میں اضطراب بپا کردے۔ ان کی ذاتی خواہشات محبت کی سوزش اور اخلاص وللّٰہیت کی حرارت سے تحلیل ہو کر رہ جائیں۔ مادہ پرستی کی زنجیریں درد وتپش کے شعلۂ جوالہ سے پگھل جائیں۔ عرفان، کردار اور جہاد کے جذب وشوق میں ڈوب کر وہ زندگی کا سراغ پا جائیں''۔

باب۱۰

اختتامیہ

ہندوستان میں دینی مدارس کا ایک جال پھیلا ہوا ہے۔لیکن ان کی حتمی تعداد کے بارے میں قیاس آرائی کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مدارس کا کوئی باضابطہ سروے نہیں کیا گیا اور یہ جاننے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی گئی کہ پورے ملک میں دینی مدارس کی تعداد کتنی ہوگی۔لیکن بے شمار ایسے مدارس بھی ہیں جن میں فراغت تک تعلیم نہیں ہوتی۔البتہ ان مدارس کی بھی خاصی تعداد ہے جہاں فراغت تک تعلیم دی جاتی ہے۔ان کے بارے میں یہ تو کہا ہی جا سکتا ہے کہ ان کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ یہاں سے ہر سال ہزاروں کی تعداد میں طلبا فارغ ہو کر نکلتے ہیں۔لیکن وہاں سے باہر آنے کے بعد وہ کہاں جاتے ہیں اور کیا کرتے ہیں اس بارے میں بھی کوئی حتمی سروے نہیں کیا گیا ہے۔لیکن بہر حال وہ کہیں نہ کہیں تو جاتے ہی ہیں اور کوئی نہ کوئی ذریعہ معاش اختیار کرتے ہی ہیں۔لیکن اس سوال پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا وہ باعزت ذریعہ معاش اختیار کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

مختلف یونیورسٹیوں میں متعدد مدارس کی اسناد کو تسلیم کیا گیا ہے۔لہٰذا ایسے بہت سے مدارس سے فراغت کے بعد کچھ طلبا یونیورسٹیوں کی طرف رخ کرتے ہیں اور وہاں سے وہ دوسرے کورسز بالخصوص بی اے وغیرہ کرتے ہیں اور پھر آگے کی جانب قدم بڑھاتے ہیں۔ان مدارس میں ابتدائی درجات کے بعد عربی میڈیم میں تعلیم دی جاتی ہے۔اس وقت دنیا میں رابطے کی زبان انگریزی ہے۔ہاں بہت سے ملکوں میں عربی بھی بولی جاتی ہے۔لیکن صرف عربی کی بنیاد پر دنیا کے تمام خطوں میں آسانی کے ساتھ آمدورفت نہیں کی جا سکتی۔ان مدارس میں عصری علوم سے عموماً پہلوتہی کی جاتی ہے۔ذمہ داران مدارس کا کہنا ہے کہ ہم دینی علوم کے ماہر تیار کرتے ہیں عصری علوم کے نہیں۔لیکن بہت سے ماہرین تعلیم کا خیال ہے کہ فی زمانہ وہی شخص ترقی کر سکتا ہے جو عصری علوم سے لیس ہو۔عصری علوم عام طور پر انگریزی زبان میں پڑھائے جاتے ہیں۔جبکہ بہت کم مدارس میں انگریزی کی تعلیم دی جاتی ہے۔

لہٰذا مدارس کی چہار دیواری سے باہر آنے کے بعد طلبائے مدارس خود کو جیل سے چھوٹے کسی ایسے قیدی کی مانند پاتے ہیں جس نے اپنی زندگی کے پندرہ بیس سال جیل میں گزار دیے اور جب وہ باہر آیا تو دنیا بدلی ہوئی ملی۔عام طور پر طلبا کو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کہاں جائیں اور کیا کریں۔لیکن بہر حال ذریعہ معاش کی تلاش تو کرنی ہی ہے اس لیے وہ الگ الگ راستے اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔جو طلبا یونیورسٹیوں میں جا کر دوسرے علوم پڑھنا چاہیں تو ان کے سامنے زبان کا مسئلہ آتا ہے۔چونکہ وہ انگریزی نہیں جانتے اس لیے دوسرے کورسز میں داخلہ نہیں لے سکتے اور پھر یہ بھی ہے کہ مدارس کی ڈگریاں بی اے ایم اے ہی کے لیے ہی تسلیم شدہ ہیں نہ کہ پیشہ ورانہ کورسز کے لیے۔اس لیے جن کو دوسرے کورسز کرنے ہوتے ہیں ان کے سامنے دو راستے ہوتے ہیں۔یا تو وہ عربی یا کسی طرح فارسی

میں بی اے میں داخلہ لے لیں یا اپنے اندر انگریزی کی اتنی استعداد پیدا کریں کہ وہ دوسرے کورسز میں جاسکیں۔ اس لیے بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ مدارس کے نظام تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ کم از کم بارہویں کلاس تک عصری علوم پڑھائے جانے چاہئیں۔ اس کے بعد جو طالب علم اسلامی علوم حاصل کرنا چاہے وہ اس طرف اپنا رخ موڑ لے۔ لیکن مدارس کے ذمہ داران اس کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس بارے میں ان کی مختلف دلیلیں ہیں۔

البتہ یہ دیکھا گیا ہے کہ وہ افراد جو مدرسہ بیک گراونڈ تو رکھتے ہیں لیکن مدرسوں میں کام کرنے کے بجائے یا تو یونیورسٹیوں اور کالجوں میں کام کر رہے ہیں یا پھر دوسرے اداروں میں، مدارس کے نصاب میں تبدیلی پر زور ڈالتے ہیں۔ البتہ جو لوگ مدرسوں میں پڑھا رہے ہیں یا کسی مسجد سے وابستہ ہیں وہ اس کو درست نہیں مانتے۔ لیکن اکثریت ایسے افراد کی ہے جو یہ بات تسلیم کرتی ہے کہ فارغین مدارس کو باعزت زندگی گزارنے اور اسی کے ساتھ دین کی خدمت کرنے کے لیے ماحول سازگار کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر مدرسوں سے نکلنے کے بعد طلبا دوسرے کورس کرنا چاہیں تو انھیں اس کے مواقع ملنے چاہئیں۔ لیکن اس کوشش میں اس کا بھی خیال اور لحاظ رکھا جانا چاہیے کہ ان کا مخصوص کردار متاثر نہ ہو۔ اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے سابق وائس چانسلر لیفٹیننٹ جنرل ضمیر الدین شاہ نے یونیورسٹی میں برج کورس کا آغاز کیا۔ اس سلسلے میں برج کورس کے ڈائرکٹر ڈاکٹر راشد شاز کی کوششیں بھی شامل رہی ہیں۔ فارغین مدارس وہاں جا کر دوسرے کورس کر رہے ہیں۔ پانچ سال قبل یہ سلسلہ شروع ہوا تھا اور اب تک سیکڑوں بچے وہاں سے فارغ ہو چکے ہیں اور انھیں مختلف کورسز میں داخلہ مل چکا ہے۔ یہاں تک کہ کئی طلبا ایل ایل بی تک میں داخلہ حاصل کر چکے ہیں۔ تاہم لوگوں کا خیال ہے کہ برج کورس کے دائرے کو وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔ یعنی صرف یہ نہ کیا جائے کہ ان کی انگریزی کی استعداد بڑھائی جائے بلکہ انھیں ایسی تعلیم بھی دی جائے جس کی مدد سے وہ پیشہ ورانہ کورسز میں جاسکیں۔ برج کورس کے ذمہ داران بھی اس بات کو محسوس کرتے ہیں، اور اب اس میں سائنس وغیرہ کی تعلیم کا بھی بندوبست کے بارے میں سوچا جا رہا ہے۔

اس سلسلے میں جب راقم الحروف نے مختلف ماہرین تعلیم اور مدارس کے فضلائے کرام سے گفتگو کی تو ملا جلا ردعمل سامنے آیا۔ تاہم بیشتر کو اس بات کا احساس ہے کہ طلبائے مدارس کے لیے بھی دنیاوی مواقع ہونے چاہئیں۔ وہ اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ اگر کوئی فاضل مدرسہ دنیاوی علم حاصل کرے گا اور مسجد و مدرسہ میں جانے کے بجائے کسی دوسرے ادارے میں جائے گا تو وہ وہاں دین کی خدمت نہیں کر سکے گا۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ سوچ غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج ان مقامات پر حقیقی اسلام کو پھیلانے کی ضرورت ہے جہاں اسے غلط اور گمراہ کن انداز میں دیکھا جا رہا ہے یا پیش کیا جا رہا ہے۔ یعنی اس وقت اسلام کے بارے میں جو غلط پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے اس کو ناکام بنانے کی ضرورت ہے۔ یہ کام اسی وقت ہوگا جب مسجد و مدرسہ سے باہر نکلا جائے اور ان مقامات پر جا کر کام کیا جائے جہاں غیر مسلموں کی تعداد زیادہ ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ مدرسے کا فارغ اگر دوسری لائن اختیار کرے گا تو اس کی اپنی لائن بگڑ جائے گی۔ یہ خام خیالی ہے اور اسے دل سے نکال دینا چاہیے۔

برج کورس کے بارے میں لوگوں کے خیالات جاننے کی کوشش کی گئی تو اکثریت نے اس کا خیر مقدم کیا اور لیفٹیننٹ جنرل ضمیر الدین شاہ اور ڈاکٹر راشد شاز کی کوششوں کی ستائش کی۔ انھوں نے اسے ایک انقلابی قدم قرار دیا اور کہا کہ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو چند برسوں میں ایسے افراد تیار ہو جائیں گے جو نہ صرف ہندوستان میں بلکہ دنیا کے دیگر ملکوں میں بھی حقیقی اسلام پہنچانے کا فریضہ انجام دے سکیں گے۔ برج کورس میں جہاں طلبا کو مختلف علوم پڑھائے جا رہے ہیں وہاں ان کے اندر ایک صحت مند تنقیدی شعور پیدا کرنے کی بھی کوشش کی جا رہی ہے۔ انھیں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اسلام کو صرف کتابوں سے نہ سمجھیں یا مدرسوں میں ان کے اساتذہ نے جو پڑھا دیا اسی کو حرف آخر نہ سمجھیں بلکہ از خود بھی جائزہ لینے اور مسائل کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس تعلق سے طلبا نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ بڑے حوصلہ افزا ہیں اور بڑے قیمتی بھی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک انقلابی قدم ہے لیکن یہ کام آسان نہیں تھا۔ جب سے اس کا آغاز ہوا اسی وقت سے اس کی مخالفت بھی کی جاتی رہی ہے۔ کچھ لوگوں نے اس تصور کو ہی خارج از بحث کر دیا کہ فارغین مدارس کو دوسرے کورسز کے لیے تیار کیا جائے۔ ان کی بہت سی دلیلوں میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر مدارس کے فارغین دوسرے شعبوں میں چلے جائیں گے تو مدرسوں اور مسجدوں کو افرادی قوت کہاں سے ملے گی۔ تاہم یہ ایک خیال خام ہے۔ اتنی بڑی تعداد ہر سال مدرسوں سے نکلتی ہے۔ مسجد و مدرسہ کو افرادی قوت کی کمی کبھی نہیں ہوگی۔ بعض افراد نے اس کے ڈائرکٹر ڈاکٹر راشد شاز کے مذہبی افکار و خیالات کے سلسلے میں تحفظات کا اظہار کیا۔ لیکن اس کے جواب میں دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت مسلم یونیورسٹی کے بانی سر سید احمد خاں کے مذہبی افکار کے بھی خلاف تھی۔ لیکن کیا انھوں نے سر سید کی خدمات کو مسترد کر دیا۔ ان کا کہنا ہے کہ جس طرح سر سید نے اپنے مذہبی نظریات کو یونیورسٹی میں کورس کا حصہ نہیں بنایا اسی طرح راشد شاز نے بھی اپنے نظریات کو یا اپنی کتابوں کو کورس میں داخل نہیں کیا۔ بلکہ ان کا یہاں تک کہنا ہے کہ انھوں نے پہلے سال اپنی کتابیں طلبا کے لیے ممنوع کر دی تھیں۔ طلبا کی ایک جماعت بھی ان کے نظریات سے اتفاق نہیں رکھتی لیکن اس کا کہنا ہے کہ اس کے اندر جو علمی انقلاب آیا ہے اس کا کریڈٹ راشد شاز کو ہی جاتا ہے۔ انھوں نے غور و فکر کا جو آزادانہ ماحول فراہم کیا اس سے ان کے دماغوں کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ بہت سے لوگوں نے برج کورس کے خلاف اخباروں میں مضامین شائع کروائے اور اسے بند کرنے کا مطالبہ کیا۔ خود یونیورسٹی کیمپس میں بھی بعض عناصر نے اس کی مخالفت کی۔ لیکن بہر حال مخالفتوں کی تیز آوازیں رفتہ رفتہ کمزور اور مدھم ہوتی چلی گئیں۔ اب مخالفت کی وہ صورت حال نہیں ہے جو پہلے تھی۔ یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ مسلمانوں میں روایت پسندی نے جڑیں جمالی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کوئی نئی تبدیلی گوارہ ہی نہیں کر پاتے اور اس کی مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔ یہ تو بہت بڑا انقلابی قدم ہے اس کی تو مخالفت ہونی ہی تھی سو ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر راشد شاز کے نظریات سے قطع نظر انھوں نے برج کورس کی شکل میں فارغین مدارس کے سامنے جس طرح علم و عمل کی ایک نئی دنیا کھول دی ہے اس کی بہر حال ستائش کرنی چاہیے۔ جو لوگ اس طریقہ تعلیم و تدریس کو ناپسند کرتے ہیں انھیں چاہیے کہ وہ طلبائے برج کورس کے خیالات پڑھیں۔ امید ہے کہ ان کا نظریہ بدل جائے گا۔